

Faith and Discovery

January – June 2026 Vol:4, Issue:1

ISSN(p): 3007-0643

ISSN(e): 3007-0651

علامہ اقبال اور وسط ایشیا:

تاریخی، تہذیبی اور جغرافیائی تناظر میں ایک تحقیقی جائزہ

*Allama Iqbal and Central Asia: A Research Study in Historical,
Cultural, and Geographical Perspectives*

ڈاکٹر محمد شکیل بھنڈر

Abstract

This research article examines Allama Muhammad Iqbal's intellectual, poetic, and geopolitical perception of Central Asia, with particular reference to the regions and historical centers that today constitute Uzbekistan, Turkmenistan, Tajikistan, Kazakhstan, and other Central Asian Muslim republics. The study explores how Iqbal, despite living in an era when these territories were under Russian imperial and later Soviet control, recognized their immense geographical, cultural, civilizational, and strategic significance. Through a critical analysis of Iqbal's Urdu and Persian poetry, speeches, writings, and correspondence, the article highlights his deep concern for the political subjugation of Central Asian Muslims and his aspiration for their future freedom and revival. Special attention has been given to Iqbal's references to major Central Asian cities such as Samarqand, Bukhara, Turkistan, and Kashghar, which appear in his poetry not merely as geographical locations but as symbols of Islamic civilization, intellectual heritage, spiritual vitality, and Muslim resurgence. The study further investigates Iqbal's appreciation of eminent Central Asian personalities, including Imam al-Bukhari, Imam Fakhr al-Din al-Razi, and Mir Sayyid Ali Hamadani, whose contributions to Islamic scholarship

and spirituality greatly influenced the intellectual landscape of the Muslim world. The article argues that Iqbal's vision of Central Asia was deeply connected with his broader concept of Muslim unity (Ummah), civilizational renewal, and the reconstruction of Islamic thought. His writings reveal a remarkable foresight regarding the future importance of Central Asia in global politics, trade, culture, and regional connectivity. The subsequent independence of the Central Asian republics after the dissolution of the Soviet Union in 1991 further validates Iqbal's hopes for the emancipation and revival of Muslim societies in the region. The study concludes that Central Asia occupies a significant place in Iqbal's thought as a vital component of the Islamic world's historical legacy, present challenges, and future potential.

Keywords:

Allama Muhammad Iqbal, Central Asia, Uzbekistan, Turkmenistan, Tajikistan, Kazakhstan, Samarqand, Bukhara, Muslim Unity, Islamic Civilization, Iqbal's Thought, Geopolitics, Muslim Revival, Persian Poetry, Islamic Heritage.

علامہ محمد اقبال نے یورپ سے واپسی کے بعد نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی، تہذیبی اور فکری مسائل پر توجہ دی بلکہ جنوبی ایشیا کے ساتھ ساتھ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کے حالات اور مستقبل پر بھی گہری نظر رکھی۔ ان ریاستوں کا تذکرہ اقبال نے اپنی شاعری، نثری تحریروں، خطبات اور مکتوبات میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔ اگرچہ اقبال نے باقاعدہ طور پر تاریخ کو اپنے تعلیمی مضمون کے طور پر اختیار نہیں کیا تھا، تاہم تاریخ، تہذیب اور اقوام عالم کے عروج و زوال کے اسباب سے انہیں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فکری نظام میں تاریخی شعور ایک بنیادی عنصر کے طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔

۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ روانگی اقبال کی فکری زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ یورپ میں قیام کے دوران انہوں نے فلسفے، قانون اور سیاسیات کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف اقوام کے سیاسی، تاریخی اور جغرافیائی حالات کا بھی عمیق مطالعہ کیا۔ اس مشاہدے اور مطالعے نے انہیں عالمی سیاست، بین الاقوامی تعلقات اور جغرافیائی حقائق کی بہتر تفہیم عطا کی۔ چنانچہ جب وہ ہندوستان واپس آئے تو جنوبی اور وسط ایشیا کے سیاسی و جغرافیائی مسائل کے بارے میں ان کا نقطہ نظر نہایت وسیع اور بصیرت افروز تھا۔

اقبال کے کلام کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ انہوں نے روس کے زیر تسلط وسط ایشیائی مسلم علاقوں کا ذکر محض تاریخی یا تہذیبی حوالے سے نہیں کیا بلکہ ان ریاستوں کی جغرافیائی اہمیت اور مستقبل کے امکانات کو بھی اجاگر کیا۔ اقبال کے نزدیک جغرافیہ محض زمین کے خدوخال کا نام نہیں بلکہ اقوام کی سیاسی قوت، معاشی استحکام اور تہذیبی ارتقا کا ایک بنیادی عنصر ہے۔ اسی تناظر میں انہوں نے وسط ایشیا کو ایک ایسے خطے کے طور پر دیکھا جو مشرق و مغرب کے درمیان رابطے کا مرکز بن سکتا تھا۔ آج ایک صدی بعد عالمی تجارتی راستوں، توانائی کی ترسیل اور بین الاقوامی مواصلاتی منصوبوں کی روشنی میں اقبال کی یہ بصیرت مزید واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ جنوبی اور وسط ایشیا کے متعدد ممالک ایسے جغرافیائی مقامات پر واقع ہیں جو عالمی تجارت، نقل و حمل اور علاقائی روابط میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

وسط ایشیا کی تاریخی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سولہویں صدی تک اس خطے میں خانہ بدوش قبائل کا اثر و رسوخ نمایاں تھا، تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی اور عسکری قوت میں کمی واقع ہونے لگی۔ اسی صدی میں آتشیں اسلحے کے استعمال اور تیاری نے خطے کی عسکری اور سیاسی ساخت کو تبدیل کر دیا۔ جدید ہتھیاروں کے استعمال نے منظم ریاستی نظاموں کو تقویت دی اور روایتی قبائلی طاقتوں کو بتدریج کمزور کر دیا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک سلطنت روس، چین کے چنگ (Qing) خاندان اور دیگر علاقائی طاقتوں نے وسط ایشیا کے بیشتر علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔

۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد وسط ایشیا کی سیاسی صورت حال میں ایک بنیادی تبدیلی رونما ہوئی۔ انقلاب روس کے نتیجے میں قائم ہونے والی سوویت حکومت نے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو اپنی سیاسی وحدت میں شامل کر لیا۔ اس دور میں صرف افغانستان اور منگولیا ہی ایسے ممالک تھے جو سوویت اقتدار سے باہر رہے۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۹۱ء تک وسط ایشیا کی ریاستیں سوویت یونین کا حصہ رہیں اور ان کی سیاسی، معاشی اور سماجی پالیسیاں ماسکو کے مرکزی نظام کے تابع رہیں۔

1991ء میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد وسط ایشیا کی پانچ مسلم ریاستیں، یعنی تاجکستان، ازبکستان، قازقستان، کرغزستان اور ترکمانستان آزاد ریاستوں کی حیثیت سے عالمی نقشے پر ابھریں۔ سوویت دور میں اگرچہ ان ریاستوں میں مقامی حکومتیں قائم تھیں، لیکن ان کی سیاسی سمت اور ریاستی پالیسیوں کا تعین سوویت مرکز ہی کرتا تھا۔ اقبال کے زمانے میں یہ تمام علاقے سوویت تسلط کے تحت تھے، اس لیے اقبال کی فکری آرزو صرف برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ ان مسلم اقوام کو بھی غلامی کی زنجیروں سے آزاد دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ ان کی دور اندیش نگاہ نے ان خطوں کے روشن مستقبل کا ادراک بہت پہلے کر لیا تھا۔ اقبال ان ریاستوں کو معاشی وسائل، جغرافیائی محل وقوع اور تہذیبی ورثے کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل سمجھتے تھے۔

اقبال کے تصورِ تاریخ میں ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ جب وہ مسلمانوں کے ماضی کا جائزہ لیتے ہیں تو وسط ایشیا کی علمی، تہذیبی اور سیاسی عظمت ان کے سامنے آتی ہے۔ یہی خطہ اسلامی تہذیب کے متعدد عظیم مفکرین، علماء، صوفیہ اور فاتحین کی سرزمین رہا ہے۔ اقبال اسی شاندار ماضی کے پس منظر میں وسط ایشیا کے مستقبل کو دیکھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ خطہ دوبارہ اپنی تاریخی اہمیت اور تہذیبی وقار حاصل کرے گا۔ ان کے نزدیک وسط ایشیا محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ اسلامی تہذیب کی ایک اہم علامت ہے۔

اسی تناظر میں اقبال کی فکر اس خواہش کا اظہار کرتی ہے کہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں سیاسی آزادی، معاشی خود مختاری اور تہذیبی خود اعتمادی حاصل کر کے دوبارہ عالمی سطح پر مؤثر کردار ادا کریں۔ چنانچہ جس طرح جنوبی ایشیا کے مسلم ممالک اقبال کی فکری اور سیاسی ترجیحات میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، اسی طرح وسط ایشیا کی ریاستیں بھی ان کے تصورِ ملتِ اسلامیہ اور مستقبل کے اسلامی عالم میں بنیادی اہمیت کی حامل نظر آتی ہیں۔

(الف) اقبال اور ازبکستان

ازبکستان وسط ایشیا کی اہم مسلم ریاستوں میں شمار ہوتا ہے۔ سوویت یونین کے انہدام کے نتیجے میں ۱۹۹۱ء میں جب وسط ایشیا کی مختلف ریاستوں نے آزادی کا اعلان کیا تو ازبکستان بھی ایک خود مختار اور آزاد ریاست کے طور پر عالمی نقشے پر ابھرا۔ جغرافیائی اعتبار سے ازبکستان کی سرحدیں شمال اور مغرب میں قازقستان، مشرق میں کرغزستان اور تاجکستان، جبکہ جنوب میں افغانستان اور ترکمانستان سے ملتی ہیں۔ آزادی کے بعد تاشقند کو ملک کا دار الحکومت قرار دیا گیا۔ ازبکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور یہاں اسلامی تہذیب و ثقافت کی گہری روایات پائی جاتی ہیں۔

کلام اقبال اور ازبکستان

علامہ محمد اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں وسط ایشیا کی مختلف ریاستوں، شہروں اور تہذیبی مراکز کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک وسط ایشیا صرف ایک

جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ اسلامی تہذیب، علم اور ثقافت کا ایک اہم مرکز ہے۔ ان کے کلام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ وسط ایشیائی مسلم اقوام کی آزادی، ترقی اور احیائے نو کے خواہش مند تھے۔ اسی لیے انہوں نے ان ریاستوں اور ان کے تاریخی شہروں کی سیاسی، معاشی، تہذیبی اور جغرافیائی اہمیت کو نمایاں انداز میں بیان کیا ہے۔

اقبال کے دور میں ازبکستان سوویت یونین کے زیر تسلط تھا، تاہم اقبال کی بصیرت مستقبل کے امکانات کو دیکھ رہی تھی۔ بعد ازاں آزادی کے حصول کے بعد ازبکستان نے ایک خود مختار ریاست کی حیثیت اختیار کی اور انتظامی طور پر مختلف صوبوں میں تقسیم ہوا۔ ان صوبوں میں سمرقند، تاشقند اور بخارا خصوصی تاریخی اور تہذیبی اہمیت کے حامل ہیں۔ اقبال نے اپنے کلام میں خصوصاً سمرقند اور بخارا کا ذکر کر کے ان شہروں کی علمی اور تہذیبی عظمت کو اجاگر کیا ہے۔

کلام اقبال اور سمرقند

سمرقند کی تاریخی و تہذیبی اہمیت

سمرقند وسط ایشیا کا ایک نہایت قدیم اور تاریخی شہر ہے جو ازبکستان کا دوسرا بڑا شہر اور صوبہ سمرقند کا دار الحکومت ہے۔ یہ شہر صدیوں تک اسلامی علوم، تہذیب اور ثقافت کا مرکز رہا ہے۔ تاریخی اعتبار سے سمرقند کو اسلامی دنیا کے ان ممتاز علمی مراکز میں شمار کیا جاتا ہے جہاں مختلف ادوار میں علم و فن کی عظیم روایت پروان چڑھتی رہی۔

اسلام کی اشاعت کے حوالے سے بھی سمرقند کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ روایات کے مطابق حضرت قثم بن عباسؓ، جو حضرت عباسؓ کے فرزند اور رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، اس خطے میں تشریف لائے اور یہاں اسلام کی دعوت و تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی نسبت سے آج بھی ان کا مزار سمرقند میں موجود ہے اور مقامی آبادی انہیں ”زندہ پیر“ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

"سمرقند زمانہ قدیم سے چین اور مغرب کے درمیان شاہراہ ریشم کے وسط میں واقع اسلامی تعلیم اور تحقیق کے مرکز کے طور پر جانا جاتا رہا ہے۔ آج بھی شہر میں واقع بی بی خانم مسجد اس کی اہم ترین عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔ سمرقند میں درجنوں خوبصورت مزار ہیں۔ جن میں بادشاہ تیمور لنگ، ماہر فلکیات الخ بیگ اور قثم ابن عباس شامل ہیں۔ (Wikipedia, (1) 2024)

سمرقند کی اسی تاریخی، تہذیبی اور علمی عظمت کے باعث علامہ اقبال نے اپنے کلام میں اس شہر کا متعدد مرتبہ ذکر کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک سمرقند اسلامی تہذیب، علم اور روحانیت کی ایک روشن علامت ہے۔ انہوں نے اپنی اردو اور فارسی تصانیف، خصوصاً "معارفِ حجاز، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، پیامِ مشرق اور زبورِ عجم" میں اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ سمرقند کی تاریخی عمارتیں، فنِ تعمیر اور تہذیبی ورثہ بھی اس کی انفرادیت کا اہم پہلو ہیں، جس نے اقبال کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

علامہ اقبال اپنی کتاب "بالِ جبریل کی نظم "یارب! یہ جہاں گزراں خوب ہے لیکن" میں سمرقند کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند

(اقبال، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۷۹-۸۰)

ان اشعار میں اقبال ایک عالمگیر اسلامی اور انسانی شعور کا اظہار کرتے ہیں۔ پہلے شعر میں وہ واضح کرتے ہیں کہ حقیقی درویش کسی خاص جغرافیائی خطے، قوم یا تہذیب کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کی وابستگی مشرق و مغرب کی تقسیم سے ماوراء ہوتی ہے، کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست خدا سے

ہوتا ہے۔ اسی تصور کو واضح کرنے کے لیے اقبال دلی، اصفہان اور سمرقند جیسے عظیم تاریخی اور تہذیبی مراکز کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ شہر اپنی اپنی تہذیبی، علمی اور سیاسی عظمت کے باعث اسلامی تاریخ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، لیکن اقبال کے نزدیک ایک صاحب بصیرت درویش کی شناخت کسی مخصوص مقام سے وابستہ نہیں ہوتی۔

دوسرے شعر میں اقبال اپنی فکری خود مختاری اور حق گوئی کا اعلان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کی گفتگو اور فکر کا معیار صرف حق اور صداقت ہے۔ وہ نہ تو رسمی مذہبیت کے نمائندہ ہیں اور نہ ہی مغربی تہذیب کے اندھے مقلد۔ ”ابلہ مسجد“ سے مراد وہ محدود مذہبی ذہنیت ہے جو دین کی حقیقی روح سے ناواقف ہو، جبکہ ”تہذیب کا فرزند“ مغربی تہذیب کی غیر تنقیدی تقلید کی علامت ہے۔ اقبال ان دونوں انتہاؤں سے خود کو الگ رکھتے ہوئے ایک ایسی فکری راہ اختیار کرتے ہیں جس کی بنیاد حق، بصیرت اور آزادانہ فکر پر استوار ہے۔

اس طرح سمرقند کا ذکر اقبال کے ہاں محض ایک تاریخی شہر کے طور پر نہیں آتا بلکہ یہ اسلامی تہذیب، علمی روایت اور روحانی مرکزیت کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے، جسے اقبال اپنے وسیع تر فکری اور تہذیبی تصور کے تناظر میں استعمال کرتے ہیں۔

علامہ محمد اقبال نے اپنی اردو اور فارسی شاعری میں وسط ایشیا کے تاریخی مراکز اور تہذیبی شہروں کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ ان شہروں میں سمرقند کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اقبال کے نزدیک سمرقند محض ایک جغرافیائی مقام نہیں بلکہ اسلامی تہذیب، علمی روایت، سیاسی قوت اور مسلم نشاۃ ثانیہ کی ایک علامت ہے۔ اسی تناظر میں انہوں نے مختلف شعری مقامات پر سمرقند کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تاریخی، تہذیبی اور فکری اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

علامہ اقبال اپنی کتاب بال جسبریل کی غزل ”کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی“ میں سمرقند کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں:

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی

گستاخ ہے، کرتا ہے فطرت کی حنا بندی
 خاکی ہے مگر اس کے انداز میں افلاکی
 رومی ہے نہ شامی ہے، کاشی نہ سمرقندی
 سکھائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
 آدم کو سکھاتا ہے آداب خداوندی

(اقبال، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۲۳۷-۲۳۸)

یہ غزل محض تین اشعار پر مشتمل ہے، لیکن اپنے معنوی اور فکری اعتبار سے نہایت گہرائی کی حامل ہے۔ اقبال نے اس غزل میں تخیلاتی انداز اختیار کرتے ہوئے فرشتوں اور خدا کے درمیان ایک مکالمے کی صورت پیدا کی ہے۔ پہلے شعر میں فرشتے اقبال کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ فطرت کے اسرار میں دخل اندازی کرتا اور کائنات کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرے شعر میں فرشتے اقبال کی شخصیت کے تضادات ظاہری اور کمالاتِ باطنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ اقبال ایک خاکی انسان ہے، لیکن اس کی بلند پروازی اور فکری عظمت افلاکی مخلوق جیسی ہے۔

اسی شعر میں اقبال ”رومی“، ”شامی“، ”کاشی“ اور ”سمرقندی“ جیسی نسبتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ نسبتیں مختلف تہذیبی، علمی اور جغرافیائی مراکز کی نمائندگی کرتی ہیں۔ شاعر یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ مردِ مومن کی اصل شناخت کسی خاص خطے، نسل یا جغرافیے سے وابستہ نہیں ہوتی، بلکہ اس کی شناخت اس کے فکر و عمل اور روحانی مقام سے متعین ہوتی ہے۔ سمرقند کا ذکر یہاں اسلامی تہذیب کے ایک عظیم مرکز کی علامت کے طور پر آیا ہے۔

تیسرے شعر میں اقبال انسان کی اس عظمت کو بیان کرتے ہیں جسے قرآن حکیم نے خلافتِ ارضی کا منصب عطا کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک مردِ مومن عشقِ حقیقی، خودی اور روحانی بصیرت کے ذریعے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی شخصیت فرشتوں کے لیے بھی باعثِ

حیرت بن جاتی ہے۔ اس طرح سمرقند کا ذکر اس غزل میں ایک تہذیبی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے جس کے ذریعے اقبال عالم اسلام کے علمی اور فکری مراکز کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال بال جبسریل کی نظم ”تاتاری کا خواب“ میں بھی سمرقند کا ذکر کرتے ہیں:

یو ایک بل گچی خاکِ سمرقند
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی
صدا آئی کہ میں ہوں روح تیمور

(اقبال، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۵۳۸)

یہ نظم دراصل ایک علامتی خواب کی صورت میں ملتِ اسلامیہ کے زوال اور احیائے نو کے امکانات کو بیان کرتی ہے۔ نظم میں تاتاری قبائل کی باہمی نااتفاق، انتشار اور کمزوری کو مسلم زوال کے اسباب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک جب کوئی قوم اپنے اتحاد، مقصد اور روحانی اقدار سے دور ہو جاتی ہے تو اس کی سیاسی اور تہذیبی قوت بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔

مذکورہ اشعار میں سمرقند کو تیمور کی سر زمین کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ شاعر ایک تخیلاتی منظر نامہ تشکیل دیتا ہے جس میں اچانک سمرقند کی خاک لرزنے لگتی ہے اور تیمور کی قبر سے نور کی ایک شعاع نمودار ہوتی ہے۔ اس شعاع سے ”روح تیمور“ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اقبال نے اس علامتی منظر کے ذریعے مسلم اقوام کو ان کے تاریخی ورثے اور عظمتِ رفتہ کی یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں سمرقند مسلم عسکری قوت، سیاسی اقتدار اور تاریخی شعور کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی فارسی شاعری میں بھی سمرقند کا ذکر نہایت معنی خیز انداز میں کیا ہے۔ پیغامِ مشرق کی ایک غزل میں وہ لکھتے ہیں:

چنگِ تیموری شکستِ آہنگِ تیموری بجااست

سر برون می آرد از سازِ سمرقندی دگر

(اقبال، کلیات اقبال فارسی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۴۰۸)

اس شعر میں اقبال اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگرچہ تیموری سلطنت زوال پذیر ہو چکی ہے، لیکن اس کی روح، اس کا آہنگ اور اس کی تہذیبی روایت ابھی زندہ ہے۔ ”سازِ سمرقندی“ سے مراد وہ نئی قوت اور نئی بیداری ہے جو مستقبل میں اسی سرزمین سے جنم لے سکتی ہے۔ اقبال کے نزدیک اقوام کی اصل طاقت ان کی روحانی اور تہذیبی قوت ہوتی ہے، جو وقتی سیاسی شکست کے باوجود باقی رہتی ہے۔

اسی کتاب پیامِ مشرق کی ایک اور غزل میں اقبال فرماتے ہیں:

از خاکِ سمرقندی ترسم کہ دگر خیزد

آشوبِ ہلاکوئی ہنگامہ چنگیزی

(اقبال، کلیات اقبال فارسی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۴۲۴)

ترجمہ:

خاکِ سمرقندی یعنی مجھے اُمید ہے کہ سمرقند کی خاک سے پھر اُٹھنے کو ہے کسی ہلاکو کا طوفان، کسی چنگیز کا ہنگامہ۔

اس شعر میں اقبال نے سمرقند کی سرزمین کو ایک ایسی قوت اور توانائی کا سرچشمہ قرار دیا ہے جو تاریخ میں بڑے انقلابات اور عظیم سیاسی تبدیلیوں کا سبب بنتی رہی ہے۔ یہاں ”ہلاکو“ اور ”چنگیز“ محض تاریخی شخصیات نہیں بلکہ غیر معمولی قوت، عزم اور اثر آفرینی کی علامتیں ہیں۔ اقبال اس شعر کے ذریعے یہ باور کراتے ہیں کہ وسط ایشیا کی سرزمین مستقبل میں بھی عالمی تاریخ پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اسی طرح زبورِ عجم میں اقبال مختلف مسلم خطوں کے باشندوں کو بیداری اور عمل کا پیغام دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

از ہند و سمرقند و عراق و ہمدان نیز
از خواب گران، خواب گران، خواب گران نیز

(اقبال، کلیات اقبال فارسی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۵۴۸)

اس شعر میں اقبال ہندوستان، سمرقند، عراق اور ہمدان کے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر مخاطب کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلم زوال کا بنیادی سبب غفلت، جمود اور عمل سے دوری ہے۔ اس لیے وہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں آباد مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں، اپنی تہذیبی میراث کو پچپچائیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔

مذکورہ اشعار کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے ہاں سمرقند صرف ایک تاریخی شہر نہیں بلکہ اسلامی تہذیب، علمی روایت، سیاسی قوت اور مسلم احیائے نو کی علامت ہے۔ انہوں نے سمرقند کے ذکر کے ذریعے وسط ایشیا کی مسلم اقوام کو ان کے شاندار ماضی کی یاد دلانی اور انہیں مستقبل کی تعمیر کے لیے بیدار ہونے کا پیغام دیا۔ اقبال کا یہ تصور ان کے وسیع تر نظریہ ملتِ اسلامیہ سے ہم آہنگ ہے، جس میں جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر پوری امتِ مسلمہ کو ایک فکری اور تہذیبی وحدت کے طور پر دیکھا گیا ہے۔

کلام اقبال اور بخارا

بخارا کی تاریخی و تہذیبی اہمیت

بخارا وسط ایشیا کا ایک نہایت اہم تاریخی شہر ہے جو موجودہ ازبکستان کے نمایاں شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ صوبہ بخارا کا صدر مقام ہے اور اسلامی تہذیب، علم و ادب اور فن تعمیر کے حوالے سے ایک منفرد تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد ازبکستان ایک آزاد ریاست کے طور پر سامنے آیا، اور ۱۹۹۹ء کی مردم شماری کے مطابق بخارا کی آبادی تقریباً دو لاکھ

سینتیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ تاریخی اعتبار سے بخارا صدیوں تک ایرانی و اسلامی تہذیب کا ایک عظیم مرکز رہا ہے۔ اس کے قدیم مدارس، مساجد، خانقاہیں اور تاریخی عمارتیں اسلامی تمدن اور علمی روایت کی گواہی دیتی ہیں۔ اسی تاریخی اور ثقافتی اہمیت کے پیش نظر یونیسکو نے بخارا کے تاریخی مرکز کو عالمی ثقافتی ورثے (World Heritage) میں شامل کیا ہے۔

"تاریخ اسلام میں بخارا پہلی مرتبہ ۸۵۰ء میں دولت سامانیہ کا دار الحکومت

قرار پایا۔ سامانیوں کے دورِ عروج میں یہ شہر اسلامی دنیا میں علم و ادب کے

مرکز کے طور پر جانا جاتا تھا۔ (Wikipedia, 2026) (8) "

بخارا کو اسلامی تاریخ میں خصوصی مقام اس وجہ سے بھی حاصل ہے کہ یہ عظیم محدث امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ کی جائے پیدائش ہے۔ امام بخاریؒ نے احادیثِ نبوی ﷺ کی جمع و تدوین، تحقیق اور تنقیدی جانچ کے میدان میں غیر معمولی خدمات سرانجام دیں۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف (الجامع الصحیح) صحیح بخاری) مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد معتبر ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے بخارا اسلامی علوم حدیث کا ایک اہم مرکز بھی قرار پاتا ہے۔

تاریخی لحاظ سے بخارا نے کئی سیاسی اور عسکری نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ ۱۲۲۰ء میں چنگیز خان نے اس شہر پر حملہ کیا اور اسے شدید تباہی سے دوچار کیا۔ بعد ازاں چغتائی حکمرانوں نے اس کی تعمیر نو کی اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد یہ شہر تیموری سلطنت کا حصہ بنا اور پھر خانانہ بخارا کے زیرِ اقتدار رہا۔ بخارا کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ مشہور مسلم مفکر اور طبیب ابو علی ابن سینا کی نسبت بھی اسی خطے سے قائم ہوتی ہے۔

کلام اقبال میں بخارا

علامہ محمد اقبال نے سمرقند کی طرح بخارا کا بھی اپنے اردو اور فارسی کلام میں متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اقبال کے ہاں بخارا محض ایک تاریخی شہر نہیں بلکہ اسلامی تہذیب، علم، روحانیت اور مسلم عظمت رفتہ کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کی شاعری میں بخارا کبھی دہلی کے ساتھ، کبھی سمرقند کے ساتھ اور کبھی دیگر اسلامی مراکز کے ساتھ مذکور ہوتا ہے۔ اس

سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال بخارا کو عالم اسلام کے ان اہم مراکز میں شمار کرتے ہیں جنہوں نے اسلامی تہذیب کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا۔

علامہ اقبال اپنی کتاب ارمغانِ حجاز کی نظم ”بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو“ میں بخارا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صنعت یل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے، وہ صحرا بھی ہمارا

(اقبال، کلیات اقبال اردو، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۳۳۴-۳۳۵)

اس نظم میں اقبال نے ایک فرضی بلوچ بزرگ کے کردار کے ذریعے حب الوطنی، آزادی اور مقامی ثقافت سے وابستگی کا درس دیا ہے۔ شاعر ایک بوڑھے بلوچ کی زبان سے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کرواتا ہے کہ اگرچہ دلی اور بخارا جیسے شہر تہذیبی عظمت، علمی روایت اور شہری ترقی کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن اپنے وطن کی آزادی، وسعت اور فطری ماحول کی قدر و قیمت ان سے کہیں زیادہ ہے۔

اقبال کے نزدیک انسان کے لیے اپنے وطن اور اپنی سر زمین سے محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ اسی لیے بلوچ بزرگ اپنے بیٹے کو تلقین کرتا ہے کہ وہ اپنے بیابانوں اور صحراؤں کو دلی اور بخارا جیسے عظیم شہروں پر ترجیح دے، کیونکہ آزادی، خود مختاری اور فطری زندگی کی جو نعمت اس خطے میں میسر ہے، وہ بڑے شہروں کی ظاہری چمک دمک میں نہیں مل سکتی۔

اسی طرح علامہ اقبال بال جبریل کی نظم ”تاتاری کا خواب“ میں بخارا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مرا ایماں تو ہے باقی و لیکن

نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
ہوائے سمند کی موجوں میں محصور
سمرقند و بخارا کی کفِ خاک!

(اقبال، کلیات اقبال اردو، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۵۳۸)

ان اشعار میں اقبال مسلم اقوام کی سیاسی اور روحانی زبوں حالی پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ شاعر کے نزدیک اگرچہ ایمان کی رمت بھی باقی ہے، لیکن فتنوں، انتشار اور باہمی اختلافات کی شدت اس ایمان کے چراغ کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ ”سمرقند و بخارا کی کفِ خاک“ سے مراد ان تاریخی اسلامی مراکز کی کمزور اور غیر مستحکم حالت ہے جو شدید سیاسی اور تہذیبی طوفانوں کی زد میں ہیں۔

نظم کے سیاق و سباق میں یہ اشعار تاتاری قبائل کے انتشار اور باہمی نزاع کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اقبال اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جب کوئی قوم اپنی وحدت اور مقصدیت کھو دیتی ہے تو اس کے عظیم تہذیبی مراکز بھی خطرات سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ سمرقند اور بخارا یہاں پوری مسلم تہذیب کی علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

علامہ اقبال اپنی فارسی شاعری میں بھی بخارا کا ذکر نہایت معنی خیز انداز میں کرتے ہیں۔ ارمغانِ حباز کی ایک غزل میں وہ فرماتے ہیں:

بدست ما نہ سمرقند و نے بخارا ایست
دعا بگوز فقیراں بہ ترک شیرازی

(اقبال، کلیات اقبال فارسی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۱۰۵)

اس شعر میں اقبال نے مشہور فارسی شاعر حافظ شیرازی کے معروف شعر کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں حافظ نے محبوب کے ایک سیاہ تل کے بدلے سمرقند اور بخارا بچھاؤ کرنے کی بات کی تھی۔ اقبال اسی روایت کو نئے معنوی تناظر میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اب

مسلمانوں کے پاس نہ سمرقند ہے اور نہ بخارا؛ یعنی وہ اپنی سیاسی قوت اور تہذیبی اقتدار سے محروم ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ان کے پاس اگر کوئی سرمایہ باقی ہے تو وہ دعا، امید اور روحانی وابستگی ہے۔

یہ شعر دراصل مسلم دنیا کے سیاسی زوال اور اقتدار کے فقدان کی طرف اشارہ کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اقبال امید اور حوصلے کا پیغام بھی دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مادی اقتدار کے خاتمے کے باوجود روحانی قوت اور فکری بیداری کے ذریعے دوبارہ عروج حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اقبال کے ہاں بخارا ایک تاریخی شہر سے بڑھ کر اسلامی تہذیب، علم و عرفان، روحانیت اور مسلم عظمت کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ اقبال نے بخارا کے ذکر کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے درختوں ماضی کی یاد دلائی اور انہیں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ اگر وہ اپنی علمی، روحانی اور اخلاقی روایات سے وابستگی برقرار رکھیں تو ایک بار پھر تاریخ میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

علامہ محمد اقبال نے اپنی اردو اور فارسی شاعری میں بخارا کا ذکر متعدد مقامات پر کیا ہے۔ اقبال کے ہاں بخارا محض ایک تاریخی شہر نہیں بلکہ اسلامی تہذیب، علمی روایت، روحانی ورثے اور مسلم تشخص کی ایک اہم علامت ہے۔ ان کے کلام میں بخارا کا ذکر مختلف فکری اور تہذیبی سیاق و سباق میں ملتا ہے، جس سے اس شہر کی تاریخی اور تمدنی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ اقبال اپنی اردو تصنیف ضربِ کلیم میں بخارا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں بندۂ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند
اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند (12)

(اقبال، کلیات اقبال فارسی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۵۷۵-۵۷۶)

ان اشعار میں اقبال اپنی فکری اور روحانی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ الہی میں شکرگزاری پیش کرتے ہیں۔ پہلے شعر میں شاعر اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے خود کو ”بندۂ ناداں“ قرار دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی روح کا تعلق عالمِ لاہوت سے قائم ہے۔ ”نہاں خانہ لاہوت“ سے مراد وہ روحانی اور ماورائی جہان ہے جہاں سے انسان کو اعلیٰ فکری اور روحانی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک ان کی شاعری اور فکر کا سرچشمہ محض مادی دنیا نہیں بلکہ ایک بلند روحانی شعور ہے۔

دوسرے شعر میں اقبال اپنی شاعری کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پیغام نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک نئی حرارت، تازہ ولولہ اور بیداری کی کیفیت پیدا کی ہے۔ ”لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند“ کی ترکیب اس حقیقت کی علامت ہے کہ اقبال کا فکری پیغام جغرافیائی حدود سے ماورا ہو کر پورے عالمِ اسلام تک پہنچا۔ یہاں بخارا اور سمرقند وسط ایشیا کے ان تاریخی مراکز کی نمائندگی کرتے ہیں جو اسلامی تہذیب، علم اور ثقافت کے اہم مراکز رہے ہیں۔ اس طرح اقبال اپنے پیغام کی عالمگیریت اور اس کے اثرات کے دائرہ کار کو واضح کرتے ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال ضربِ کلیم کی مشہور نظم ”مردِ مسلمان“ میں بخارا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل میں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان

(اقبال، کلیات اقبال فارسی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۶۱۲)

یہ نظم اقبال کے تصورِ مردِ مومن کی جامع ترجمان ہے۔ پہلے شعر میں اقبال مسلمان کی مطلوبہ صفات بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے ”قہاری“، ”غفاری“، ”قدوسی“ اور ”جبروت“ جیسی صفات کے ذریعے اس متوازن کردار کی وضاحت کی ہے جو ایک کامل مسلمان میں ہونا

چاہیے۔ ان صفات میں جلال اور جمال دونوں پہلو شامل ہیں۔ ”تہاری“ اور ”جبروت“ قوت، عزم اور باطل کے مقابلے میں استقامت کی علامت ہیں، جبکہ ”غفاری“ اور ”قدوسی“ رحمت، پاکیزگی اور اخلاقی بلندی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اقبال کے نزدیک یہی صفات ایک حقیقی مسلمان کی شخصیت کو متوازن اور موثر بناتی ہیں۔

دوسرے شعر میں اقبال مردِ مومن کے روحانی مقام کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ایک مسلمان کی شناخت کسی خاص خطے، نسل یا جغرافیے تک محدود نہیں ہوتی۔ ”نہ بخارانہ بدخشان“ کہہ کر اقبال اس تصور کی نفی کرتے ہیں کہ مسلمان کی عظمت کسی مخصوص تہذیبی مرکز یا تاریخی مقام سے وابستہ ہے۔ مردِ مومن کا اصل مقام پوری کائنات ہے، کیونکہ وہ روحانی اعتبار سے اس قدر بلند ہوتا ہے کہ اسے ”ہمسایہ جبریل امیں“ قرار دیا گیا ہے۔ اس تعبیر کے ذریعے اقبال انسان کی روحانی استعداد اور اس کے بلند مرتبے کو اجاگر کرتے ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنی فارسی شاعری میں بھی بخارا کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ پیام مشرق میں وہ فرماتے ہیں:

اگرچہ زادہ ہندم فروغ چشم من است
ز خاک پاک بخارا و کابل و تبریز

(اقبال، کلیات اقبال فارسی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۴۳۳)

ترجمہ:

اگرچہ میں ہندوستان کی سرزمین میں پیدا ہوا ہوں، لیکن میری آنکھوں کا نور بخارا، کابل اور تبریز کی پاک مٹی سے حاصل ہوا ہے؛ یعنی میری فکری اور روحانی وابستگی نسلی یا جغرافیائی نہیں بلکہ اسلامی تہذیب اور اس کے علمی و روحانی مراکز سے ہے۔

اس شعر میں اقبال اپنے فکری تشخص اور تہذیبی وابستگی کی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ اپنی پیدائش کے اعتبار سے ہندوستانی ہیں، لیکن ان کی فکری تشکیل اور روحانی تربیت ان

عظیم اسلامی مراکز کی مرہونِ منت ہے جنہوں نے صدیوں تک اسلامی تہذیب، علم اور عرفان کو فروغ دیا۔ بخارا، کابل اور تبریز تینوں شہر اسلامی تاریخ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ بخارا علوم حدیث اور اسلامی تعلیمات کا مرکز رہا، کابل وسطی اور جنوبی ایشیا کے درمیان تہذیبی رابطے کی علامت ہے، جبکہ تبریز فارسی ادب، تصوف اور اسلامی تہذیب کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔

اقبال کے نزدیک ان شہروں کی اہمیت صرف جغرافیائی نہیں بلکہ تہذیبی اور فکری ہے۔ وہ ان مراکز کو اسلامی تمدن کی نمائندہ علامتوں کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ ایک مسلمان کی فکری شناخت کسی ایک خطے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ پوری اسلامی تہذیب اس کی میراث ہے۔

مجموعی طور پر اقبال کے کلام میں بخارا علم، تہذیب، روحانیت اور مسلم تشخص کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اقبال نے بخارا کے ذکر کے ذریعے مسلمانوں کو ان کی عظیم علمی اور تہذیبی روایت کی یاد دلائی ہے اور انہیں اس امر کی طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ اپنی فکری، روحانی اور تہذیبی اساس سے وابستگی برقرار رکھتے ہوئے مستقبل کی تعمیر کریں۔ اس طرح بخارا اقبال کی شاعری میں ماضی کی یادگار ہی نہیں بلکہ مسلم احیائے نو اور فکری بیداری کی ایک مؤثر علامت بھی بن جاتا ہے۔

مکاتیبِ اقبال اور سمرقند

علامہ محمد اقبال نے جس طرح اپنے اردو اور فارسی کلام میں وسط ایشیا کی ریاستوں اور ان کے تاریخی شہروں کا ذکر کیا ہے، اسی طرح ان کے خطوط، جو بعد ازاں مکاتیبِ اقبال کے عنوان سے مدون کیے گئے، بھی اس حوالے سے نہایت اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اقبال کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وسط ایشیا کے تاریخی، تہذیبی اور علمی مراکز سے گہری واقفیت رکھتے تھے اور مختلف علمی، ادبی اور تاریخی مباحث میں ان شہروں کا حوالہ دیتے تھے۔

خصوصاً سمرقند کا ذکر ان کے خطوط میں متعدد مقامات پر ملتا ہے، جس سے اس شہر کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت کے بارے میں اقبال کے شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔

سمرقند کے حوالے سے اقبال کا ایک اہم خط ۴ جولائی ۱۹۱۶ء کو سراج الدین پال کے نام تحریر کیا گیا۔ اس خط میں اقبال نے حافظ شیرازی اور تیمور سے متعلق ایک تاریخی روایت پر تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

" تیمور خاندان کے متعلق جو واقعہ مشہور ہے۔ (اس کا ذکر آتش کدہ کے مصنف نے کیا ہے یعنی بخارا ہندوش، بخشم سمرقند بخارا) تاریخی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ حافظ کا انتقال ۱۳۸۸ء میں ہوا۔ تیمور نے شیراز کو ۱۳۹۲ء میں فتح کی (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۵۲۱)۔ (15) "

اس اقتباس سے اقبال کے تاریخی شعور اور تنقیدی طرز فکر کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ حافظ شیرازی کے اس معروف شعر اور اس سے وابستہ روایت کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیتے ہوئے اس روایت کی زمانی عدم مطابقت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اقبال کے مطابق حافظ شیرازی کی وفات تیمور کی شیراز پر فتح سے قبل واقع ہو چکی تھی، اس لیے اس واقعے کو تاریخی حقیقت کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اس خط میں سمرقند اور بخارا کا ذکر تیموری عہد اور فارسی ادبی روایت کے تناظر میں سامنے آتا ہے۔

اسی طرح علامہ اقبال نے ۴ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مولانا گرامی کے نام ایک خط تحریر کیا، جس میں اپنی صحت، رہائش کی تبدیلی اور ادبی سرگرمیوں کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی فارسی تصنیف پیام مشرق میں شامل ایک غزل کا حوالہ بھی دیا۔ اس غزل میں اقبال نے تیموری اقتدار کے زوال اور اس کے تہذیبی اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سمرقند کے حوالے سے ایک امید افزا تصور پیش کیا ہے۔ خط میں مذکور شعر کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

" تیمور کا ساز ٹوٹ گیا ہے مگر آواز باقی ہے اب وہ سمرقند کے دوسرے ساز سے برآمد ہوگی۔ (16) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۳۹۴)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک اگرچہ سیاسی سلطنتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں، لیکن ان کی تہذیبی اور فکری روح باقی رہتی ہے۔ سمرقند یہاں ایک ایسے تہذیبی مرکز کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے جہاں سے مستقبل میں ایک نئی فکری اور تمدنی بیداری جنم لے سکتی ہے۔

مکاتیب اقبال میں سمرقند کے حوالے سے جن تاریخی شخصیات کا ذکر ملتا ہے، ان میں ابن عرب شاہ بھی شامل ہیں۔ ان کا پورا نام شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن عبد اللہ الحنفی تھا۔ وہ ۷۹۱ھ / ۱۳۹۲ء میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ جب تیمور نے شام پر حملہ کیا تو ان کا خاندان سمرقند منتقل ہو گیا۔ اس حوالے سے مکاتیب اقبال میں درج ہے:

۸۰۳ ہجری میں جب تیمور نے شام پر حملہ کیا تو ابن عرب شاہ کا خاندان سمرقند منتقل ہو گیا۔ وہاں اس نے الجرجانی اور الجزری اور دیگر علماء سے علوم ادیبہ کی تحصیل کی۔ (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۷۴۹)

یہ اقتباس اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ تیموری دور میں سمرقند صرف سیاسی اقتدار کا مرکز نہیں تھا بلکہ علوم و فنون اور علمی سرگرمیوں کا بھی ایک عظیم مرکز تھا، جہاں مختلف علاقوں سے آنے والے علماء اور دانشور علم حاصل کرتے تھے۔

سمرقند کے حوالے سے مکاتیب اقبال میں ایک اور اہم شخصیت سلطان زین العابدین المعروف ”بڈشاہ“ ہیں، جو ۱۴۲۰ء میں کشمیر کے تخت پر متمکن ہوئے۔ ان کا دور حکومت کشمیر کی تاریخ میں ”عہد زریں“ کے نام سے معروف ہے۔ سلطان زین العابدین نے نہ صرف علمی اور

ثقافتی سرگرمیوں کی سرپرستی کی بلکہ مختلف صنعتوں اور دستکاروں کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

مکاتیب اقبال میں ان کے بارے میں درج ہے:

"زین العابدین نے گھر پر ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اُس نے ۷ سال سمرقند میں تیمور کے دربار میں گزارے۔۔۔۔۔ اس نے کشمیر میں وہ تمام دستکاریاں شروع کیں جن کی وجہ سے کشمیر آج بھی مشہور ہے۔ اس نے سمرقند سے کاریگروں اور دستکاروں کو بلایا اور دست کاری اور کاریگری اور صنعت و حرفت کو فروغ دیا۔ (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۷۹۷-۷۹۸)"

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمرقند علمی اور سیاسی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ، دستکاری اور صنعت و حرفت کا بھی ایک اہم مرکز تھا۔ سلطان زین العابدین نے سمرقند کے تجربات اور مہارتوں کو کشمیر منتقل کر کے وہاں کی معیشت اور ثقافت کو نئی جہت عطا کی۔ مکاتیب اقبال میں سر ڈیننسن راس (Sir Denison Ross) کا ذکر بھی سمرقند اور بخارا کے حوالے سے ملتا ہے۔ سر ڈیننسن راس برطانوی مستشرق، ماہر لسانیات اور مشرقی علوم کے ممتاز عالم تھے۔ انہیں مشرقی زبانوں اور تہذیبوں سے گہری دلچسپی تھی۔ انہوں نے فارسی، عربی اور دیگر مشرقی زبانوں کے علاوہ جرمن، اطالوی اور روسی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء میں وہ لارڈ کرزن کی سفارش پر مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

جب علامہ اقبال ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو ان کی سر ڈیننسن راس سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں اسلام، مشرقی تہذیب اور علمی موضوعات پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ سر ڈیننسن راس کو سیاحت کا بھی شوق تھا اور انہوں نے وسط ایشیا کے تاریخی شہروں کا سفر کیا تھا۔ اس حوالے سے مکاتیب اقبال میں درج ہے:

"اس نے بہت سے ممالک کی سیر و سیاحت بھی کی اور بخارا و سمرقند بھی گیا۔ بعد ازاں یونیورسٹی لندن فارسی کا پروفیسر مقرر ہوا۔" (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۸۱)

یہ اقتباس اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بخارا اور سمرقند نہ صرف مسلم دنیا کے لیے بلکہ مغربی مستشرقین اور محققین کے لیے بھی غیر معمولی کشش رکھتے تھے۔ ان شہروں کی تاریخی، تہذیبی اور علمی اہمیت نے دنیا بھر کے دانشوروں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

مجموعی طور پر مکاتیب اقبال کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سمرقند اقبال کے نزدیک محض ایک تاریخی شہر نہیں بلکہ اسلامی تہذیب، علم، ادب، فن اور تمدنی ارتقا کی ایک اہم علامت تھا۔ ان کے خطوط میں سمرقند کا ذکر کبھی تاریخی تحقیق کے تناظر میں، کبھی ادبی مباحث میں، کبھی علمی شخصیات کے حوالے سے اور کبھی تہذیبی اثرات کے پس منظر میں ملتا ہے۔ اس طرح مکاتیب اقبال سمرقند کی علمی و تہذیبی حیثیت کو سمجھنے کے لیے ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(ب) اقبال اور ترکمانستان

ترکمانستان وسط ایشیا کی اہم مسلم ریاستوں میں سے ایک ہے جو سوویت یونین کے انہدام کے بعد ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر عالمی منظر نامے پر ابھرا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک وسیع خشکی پر مشتمل ملک ہے اور اپنی محل وقوع کے باعث خطہ وسط ایشیا میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ آبادی کے اعتبار سے یہ وسط ایشیا کی آزاد مسلم ریاستوں میں نسبتاً کم آبادی والا ملک ہے، جبکہ اس کی اکثریتی آبادی مسلمان ہے۔ دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر اشک آباد ہے جو ملک کا سیاسی، انتظامی اور ثقافتی مرکز بھی ہے۔

»نو آزاد مسلم ملک ہے اس کی سرحدیں شمال مغرب میں قازقستان، مشرق اور شمال مشرق میں ازبکستان، جنوب مشرق میں افغانستان اور جنوب اور

جنوب مغرب میں ایران اور مغرب میں بحیرہ کیسپین سے ملتی ہیں۔ " (26) (Wikipedia, 2026)

لفظ ”ترکمانستان“ دو اجزاء، ”ترکمان“ اور ”ستان“، سے مل کر تشکیل پایا ہے۔ ”ترکمان“ اس خطے کے نسلی گروہ کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ ”ستان“ فارسی زبان کا لاحقہ ہے جس کے معنی ”ملک“ یا ”جائے قیام“ کے ہیں۔ اس طرح ترکمانستان کے لغوی معنی ”ترکمانوں کا ملک“ ہیں۔ وسط ایشیا کے دیگر ممالک کی طرح یہاں بھی ترک النسل آبادی کی اکثریت پائی جاتی ہے، جس نے اس خطے کی تہذیبی اور ثقافتی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

علامہ محمد اقبال کو وسط ایشیا کی مسلم اقوام اور ان کی تہذیبی روایت سے گہری وابستگی تھی۔ اگرچہ اقبال نے اپنی شاعری اور مکتوبات میں ترکمانستان کا نام براہ راست کم استعمال کیا ہے، تاہم ان کی فکر میں پورا وسط ایشیا ایک مشترکہ تہذیبی اور اسلامی وحدت کے طور پر موجود ہے۔ اقبال کے زمانے میں ترکمانستان سمیت تمام وسط ایشیائی ریاستیں روسی اقتدار کے زیر اثر تھیں، اس لیے اقبال کی توجہ انفرادی ریاستوں کے بجائے پورے خطے وسط ایشیا اور وہاں آباد مسلم اقوام کی حالتِ زار پر مرکوز رہی۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ ترکمانستان کی جغرافیائی اہمیت دیگر وسط ایشیائی ریاستوں سے کسی طور کم نہیں۔ بحیرہ کیسپین، ایران، افغانستان اور ازبکستان سے اس کی قربت اسے علاقائی روابط، تجارتی گزرگاہوں اور جغرافیائی سیاست (Geopolitics) کے تناظر میں ایک نمایاں حیثیت عطا کرتی ہے۔ اقبال کے تصورِ ملت میں ایسے تمام خطے اہم تھے جہاں مسلمان آباد تھے اور جو مستقبل میں اسلامی دنیا کی فکری اور سیاسی قوت کا حصہ بن سکتے تھے۔

وسط ایشیا کے بارے میں اقبال کے خیالات اور ان کی گہری دلچسپی کا اظہار مختلف معاصر اور بعد کے محققین نے بھی کیا ہے۔ معروف اقبالیات شناس ڈاکٹر فتح محمد ملک اپنے مضمون ”علامہ اقبال اور آج کا وسط ایشیا“ میں سید نذیر نیازی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"سید نذیر نیازی نے اپنی بیعاض یادداشت میں لکھا ہے کہ وفات سے فقط چند ہفتے پیشتر ایک دوپہر علامہ اقبال نے خاموش لیٹے لیٹے اچانک "حقے کا کش" لگایا اور کہنے لگے وسط ایشیا میں چار کروڑ ترک آباد ہیں۔ ان کا اتحاد کیوں ممکن نہیں۔ (27) " (ملک، ۲۰۱۴)

یہ اقتباس اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ اقبال اپنی زندگی کے آخری ایام تک وسط ایشیا کے مسلمانوں کے اتحاد اور ان کے مستقبل کے بارے میں فکر مند رہے۔ ان کے نزدیک ترک اقوام کی بڑی آبادی اگر ایک فکری اور سیاسی وحدت میں منظم ہو جائے تو وہ عالم اسلام کی قوت میں نمایاں اضافہ کر سکتی ہے۔ اقبال کی یہ سوچ ان کے وسیع تر تصور ملت اسلامیہ سے ہم آہنگ تھی، جس میں نسلی، جغرافیائی اور سیاسی تقسیمات کے بجائے اسلامی اخوت اور وحدت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر فتح محمد ملک مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اقبال کی شخصیت اور فکر پر وسط ایشیا کی صوفیانہ اور شاعرانہ روایات کے گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ ان کے مطابق:

"اقبال کو شاہ ہمدان کے زیر اثر کشمیر میں سید علی ہمدانی سے لیکر نور الدین ولی تک فروغ پانے والی ادبی روایت ورثہ میں ملی تھی۔ اقبال کے گھر کا ماحول صوفیانہ تھا۔ اقبال کو وسط ایشیا کی صوفیانہ اور شاعرانہ یہ دو روایات گویا گھٹی میں ملی تھیں۔ (28) " (ملک، ۲۰۱۴)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کا وسط ایشیا سے تعلق محض سیاسی یا جغرافیائی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ اس کی بنیاد تہذیبی، روحانی اور فکری روابط پر استوار تھی۔ وسط ایشیا صدیوں تک تصوف، اسلامی فلسفے اور فارسی ادب کا اہم مرکز رہا، اور انہی روایات نے اقبال کی فکری تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو بیسویں صدی کے آغاز میں وسط ایشیا کی موجودہ ریاستیں آزاد قومی اکائیوں کی صورت میں موجود نہیں تھیں بلکہ روسی سلطنت اور بعد ازاں سوویت یونین کے زیرِ اقتدار تھیں۔ اسی دور میں برصغیر بھی برطانوی استعمار کے تسلط میں تھا۔ چنانچہ اقبال جب ہندوستانی مسلمانوں کی آزادی، خودی اور سیاسی بیداری کی بات کرتے ہیں تو ساتھ ہی وسط ایشیا کے مسلمانوں کی غلامی اور ان کے مستقبل کے بارے میں بھی فکر کا اظہار کرتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک وسط ایشیا محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں تھا بلکہ ایک عظیم تہذیبی ورثے کا حامل علاقہ تھا جس نے اسلامی تاریخ، علم، ادب اور روحانیت میں نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں۔ اسی لیے وہ ایک طرف اس خطے کی جغرافیائی اور سیاسی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور دوسری طرف وہاں آباد مسلمانوں کو آزادی، خود اعتمادی اور اتحاد کا پیغام دیتے ہیں۔ ان کا یقین تھا کہ جس طرح ہندوستان کے مسلمان ایک دن استعماری اقتدار سے نجات حاصل کریں گے، اسی طرح وسط ایشیا کے مسلمان بھی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر آزاد اور خود مختار زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں گے۔

اگرچہ اقبال کی وفات کے کئی دہائیوں بعد یہ خواب حقیقت میں تبدیل ہوا، تاہم سوویت یونین کے انہدام کے بعد وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں نے آزادی حاصل کر کے اپنی قومی شناخت قائم کر لی۔ ترکمانستان بھی انہی آزاد مسلم ریاستوں میں شامل ہے جس نے اپنی جغرافیائی، ثقافتی اور سیاسی اہمیت کے باعث خطے میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وسط ایشیا کے بارے میں اقبال کے تصورات محض شاعرانہ تمنائیں نہیں تھے بلکہ ایک دور اندیش مفکر کی وہ پیش گوئیاں تھیں جو بعد ازاں تاریخی حقائق کی صورت میں سامنے آئیں۔

چنانچہ ترکمانستان، اگرچہ اقبال کے کلام میں براہِ راست کم مذکور ہے، تاہم ان کے تصورِ وسط ایشیا اور ملتِ اسلامیہ کے فکری دائرے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ اقبال کی فکر میں اس خطے کی اہمیت اس کے جغرافیائی محل وقوع، اسلامی تہذیبی ورثے، ترک اقوام کی موجودگی

اور مستقبل میں عالم اسلام کے لیے اس کے ممکنہ کردار کے تناظر میں واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔

(ج) اقبال اور تاجکستان

تاجکستان وسط ایشیا کی اہم مسلم ریاستوں میں شمار ہوتا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک خشکی میں گھرا ہوا (Landlocked) ملک ہے اور وسط ایشیا کے نسبتاً چھوٹے ممالک میں شامل ہے۔ اس کی سرحدیں جنوب میں افغانستان، مغرب میں ازبکستان، شمال میں کرغزستان اور مشرق میں چین سے ملتی ہیں۔ تاجکستان کی اکثریتی آبادی تاجک نسل پر مشتمل ہے، جن کی تاریخی، ثقافتی اور تہذیبی جڑیں ایرانی تہذیب سے وابستہ ہیں۔ تاجک زبان فارسی کی ایک اہم شاخ سمجھی جاتی ہے، جس کی وجہ سے تاجک معاشرہ صدیوں سے فارسی زبان و ادب کے اثرات قبول کرتا رہا ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں یہ خطہ روسی اقتدار کے زیر اثر آیا اور بعد ازاں سوویت یونین کا حصہ بن گیا۔ ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد تاجکستان ایک آزاد ریاست کے طور پر ابھرا، اگرچہ آزادی کے ابتدائی برسوں میں اسے خانہ جنگی اور سیاسی عدم استحکام کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

"جمہوریہ تاجکستان وسط ایشیا کا ایک خشکی میں گھرا ہوا ملک ہے۔ اس کی سرحدیں جنوب میں افغانستان، مغرب میں ازبکستان، شمال میں کرغزستان اور مشرق میں چین سے ملتی ہیں۔ یہ تاجک نسل کے باشندوں کا وطن ہے۔ جن کی ثقافتی و تاریخی جڑیں ایران میں پیوست ہیں۔" (29) " (Wikipedia, 2026)

علامہ محمد اقبال نے اگرچہ اپنے کلام میں تاجکستان کا نام بطور ایک آزاد ریاست استعمال نہیں کیا، تاہم ان کی فکر اور شاعری میں وسط ایشیا کے جن علاقوں، اقوام اور تہذیبی مراکز کا ذکر ملتا ہے، ان میں تاجکستان کا خطہ بھی شامل ہے۔ اقبال کے زمانے میں موجودہ وسط ایشیائی ریاستیں اپنی الگ قومی شناخت کے ساتھ موجود نہیں تھیں بلکہ روسی اقتدار کے تحت ایک وسیع جغرافیائی

خطے کا حصہ تھیں۔ اس لیے اقبال جب وسط ایشیا کی مسلم اقوام، ان کے علمی ورثے اور تہذیبی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں تاجکستان بھی شامل سمجھا جاسکتا ہے۔

اقبال کی فارسی شاعری نے تاجک معاشرے میں خصوصی مقبولیت حاصل کی۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ تاجک زبان اور فارسی زبان میں گہری لسانی اور تہذیبی قربت پائی جاتی ہے۔ چونکہ اقبال کا ایک بڑا حصہ کلام فارسی زبان میں ہے، اس لیے تاجک اہل علم اور ادیب ان کے افکار کو نسبتاً زیادہ براہ راست انداز میں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تاجکستان میں اقبال کی فکر اور شاعری کو خاص پذیرائی حاصل ہوئی اور ان کے پیغام خودی، حریت اور اسلامی بیداری نے وہاں کے فکری حلقوں کو متاثر کیا۔

اگرچہ اقبال نے وسط ایشیا کے بعض شہروں اور علاقوں کا انفرادی طور پر ذکر کیا ہے، تاہم ان کی فکر کا دائرہ کسی ایک شہر یا ریاست تک محدود نہیں۔ ان کے نزدیک پورا وسط ایشیا اسلامی تہذیب، علم و عرفان اور تاریخی شعور کا ایک مشترکہ مرکز تھا۔ چنانچہ جب وہ وسط ایشیا کی جغرافیائی، ثقافتی اور روحانی اہمیت پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کا اشارہ ان تمام خطوں کی طرف ہوتا ہے جو بعد ازاں تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان، کرغزستان اور قازقستان جیسی آزاد ریاستوں کی صورت میں سامنے آئے۔

مکاتیب اقبال میں تاجکستان کے حوالے

علامہ اقبال کے خطوط، جو بعد ازاں کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کے عنوان سے مرتب ہوئے، ان کی فکری، ادبی اور تاریخی دلچسپیوں کا اہم ماخذ ہیں۔ سید مظفر حسین برنی نے اقبال کے مختلف خطوط کو یکجا کر کے شائع کیا، جن میں اقبال کی معاصر شخصیات، علمی شخصیات، اہل خانہ اور دوستوں کے ساتھ مراسلت شامل ہے۔ ان خطوط میں دنیا کے مختلف علاقوں اور تاریخی شخصیات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

مکاتیب اقبال میں تاجکستان کے حوالے سے سید علی ہمدانی کا ذکر خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ سید علی ہمدانی وسط ایشیا کے ممتاز صوفی، مبلغ اور عالم دین تھے، جنہوں نے کشمیر اور دیگر علاقوں میں اسلام کے فروغ کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کے بارے میں کلیاتِ مکاتیب اقبال میں درج ہے:

"کئی سال قبلان (کولاب) واقع تاجکستان میں رہے۔ جب آپ سے امیر تیمور ناراض ہوا اور حکم دیا کہ سید صاحب اُس کی حکومت سے نکل جائیں تو آپ ۷۷۳ / ۷۷۴ ہجری میں وہاں سے کشمیر تشریف لائے اور وہاں تصوف و اسلام کی شمع روشن کی۔ (30) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۱۰۸۶)

یہ اقتباس تاجکستان کے خطے اور برصغیر کے درمیان موجود تاریخی اور روحانی روابط کی نشاندہی کرتا ہے۔ سید علی ہمدانی نے نہ صرف کشمیر بلکہ گلگت، بلتستان اور دیگر علاقوں میں بھی اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں ان خطوں میں اسلامی تعلیمات، تصوف اور دینی شعور کو فروغ حاصل ہوا۔

علامہ اقبال نے سید علی ہمدانی کی خدمات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ان کے نزدیک سید علی ہمدانی ان عظیم شخصیات میں شامل ہیں جنہوں نے وسط ایشیا کی روحانی روایت کو برصغیر تک منتقل کیا۔ اسی وجہ سے اقبال نے اپنی فارسی مثنوی حب وید نامہ میں ان کا ذکر احترام و عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ سید مظفر حسین برنی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"آپ کی خانقاہ آج تک کشمیر میں مرجعِ خلاق ہے اور آپ کشمیر کے صاحبِ ولایت ہیں۔ آپ کو "علی ثانی" اور "حواری کشمیر" کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں آپ کی خدمات کو سراہا ہے۔ (31) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۱۰۸۶)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک وسط ایشیا کی عظمت صرف سیاسی یا جغرافیائی نہیں تھی بلکہ اس کا اصل امتیاز اس کی علمی، روحانی اور تہذیبی خدمات تھیں۔ سید علی ہمدانی جیسی شخصیات اس مشترکہ اسلامی ورثے کی نمائندہ تھیں جسے اقبال پوری امتِ مسلمہ کا سرمایہ تصور کرتے تھے۔

اقبال کا تصور وحدتِ ملت اور وسط ایشیا

اقبال کی فکر کا ایک بنیادی پہلو امتِ مسلمہ کا اتحاد اور حرمِ مکی کی مرکزیت ہے۔ وہ جغرافیائی تقسیمات سے بالاتر ہو کر تمام مسلمانوں کو ایک ملت کے رشتے میں منسلک دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک خواہ مسلمان افریقہ میں آباد ہوں، عرب دنیا میں رہتے ہوں، جنوبی ایشیا سے تعلق رکھتے ہوں یا وسط ایشیا کے باشندے ہوں، ان سب کی اصل شناخت اسلام اور ملتِ واحدہ ہے۔

اسی تصور کو اقبال نے اپنی مشہور نظم ”خضر راہ“ میں نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا

ہے:

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخلِ حصارِ دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا ایک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تاجِ کاشغر (32)

(اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۳۲۴)

ان اشعار میں اقبال امتِ مسلمہ کے اتحاد کو مشرق اور خصوصاً ایشیا کے مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ”نیل کے ساحل“ سے مراد افریقہ اور عرب دنیا کے مسلمان

ہیں، جبکہ ”خاکِ کاشغر“ وسط ایشیا اور اس کے ملحقہ علاقوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ اقبال کے نزدیک حرمِ مکی مسلمانوں کی وحدت، روحانی مرکزیت اور اجتماعی شناخت کی علامت ہے، لہذا تمام مسلمانوں کو اس کے تحفظ اور عظمت کے لیے متحد ہونا چاہیے۔

یہاں کاشغر کا ذکر بھی قابلِ توجہ ہے۔ اگرچہ کاشغر موجودہ چین کے سکلیانگ خطے کا حصہ ہے، تاہم تاریخی طور پر یہ وسط ایشیا کے تجارتی، ثقافتی اور مذہبی روابط کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ اس کا تعلق تاجکستان، کرغزستان اور دیگر وسط ایشیائی ریاستوں کے ساتھ قدیم زمانے سے قائم رہا ہے۔ شاہراہِ ریشم کے اہم مراکز میں شمار ہونے کے باعث یہ شہر مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور اسلامی روایات کے ملاپ کا مرکز رہا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو تاجکستان اور اس سے وابستہ شخصیات و تہذیبی روایات اقبال کی فکر میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔ اگرچہ اقبال نے تاجکستان کا نام بطور ریاست استعمال نہیں کیا، تاہم وسط ایشیا کے حوالے سے ان کا تصور اس پورے خطے کو محیط ہے۔ ان کے نزدیک یہ خطہ اسلامی تہذیب، روحانیت، علم و عرفان اور ملتِ اسلامیہ کے تاریخی ورثے کا ایک اہم حصہ ہے، جس کی بیداری اور ترقی عالمِ اسلام کے روشن مستقبل کے لیے ناگزیر ہے۔

امام رازی، اقبال اور بخارا

مکاتیبِ اقبال میں جن علمی، فکری اور دینی شخصیات کا ذکر ملتا ہے، ان میں امام فخر الدین رازی کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ امام رازی کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین رازی تھا۔ آپ اسلامی فلسفے، علمِ کلام، تفسیر، فقہ اور منطق کے ممتاز عالم شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی ولادت ایران کے شہر رے میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ بعد ازاں آپ نے مختلف علوم میں مہارت حاصل کی اور اپنے عہد کے ممتاز مفکر کے طور پر شہرت پائی۔

علمی مناظروں، خصوصاً معتزلہ اور دیگر فکری مکاتب فکر کے ساتھ مباحث کے باعث امام رازیؒ کو مختلف علاقوں کا سفر کرنا پڑا۔ اسی سلسلے میں وہ خوارزم، ماوراء النہر اور دیگر علمی مراکز میں گئے۔ مکاتب اقبال میں ان کے سفر بخارا اور ہرات کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

"کچھ عرصے خراسان میں رہے۔ پھر بخارا کا سفر کیا۔ وہاں حسب توقع

سرپرستی نہ ملی تو ہرات چلے گئے۔ جہاں غزنہ کے غوری سلطان غیاث

الدین نے انھیں شاہی محل میں عوام کے لئے ایک مدرسہ کھولنے کی

اجازت دے دی۔ (23) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۸۸۲)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخارا اُس دور میں علمی اور فکری سرگرمیوں کا ایک اہم مرکز تھا جہاں مختلف علماء اور دانشور علمی سرپرستی اور علمی مجالس کی تلاش میں آتے تھے۔ اگرچہ امام رازیؒ کو بخارا میں مطلوبہ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی، تاہم ان کا وہاں قیام اس شہر کی علمی اہمیت کا واضح ثبوت ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ امام رازیؒ کے افکار سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ اگرچہ اقبال نے مولانا جلال الدین رومیؒ کو اپنا روحانی مرشد قرار دیا، تاہم فکری اور فلسفیانہ سطح پر امام رازیؒ کے استدلالی انداز اور علمی گہرائی سے بھی بے حد متاثر تھے۔ اقبال کے ہاں عقل و عشق، فلسفہ و تصوف اور استدلال و وجدان کے درمیان جو فکری توازن نظر آتا ہے، اس میں رومی اور رازی دونوں کے اثرات نمایاں ہیں۔

اسی حقیقت کی ترجمانی اقبال کے اس معروف شعر سے ہوتی ہے:

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں

کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی (24)

(برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۸۸۳)

اس شعر میں اقبال نے اپنی فکری زندگی کی دو بڑی جہتوں کو بیان کیا ہے۔ ”سوز و ساسزِ رومی“ سے مراد عشق، وجدان اور روحانی واردات ہیں، جبکہ ”بیچ و تابِ رازی“ عقل، فلسفے اور استدلال کی علامت ہے۔ اقبال کے نزدیک انسانی فکر کی تکمیل ان دونوں عناصر کے امتزاج سے ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر امام رازیؒ کے افکار اور علمی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام بخاریؒ اور بخارا

مکاتیبِ اقبال میں بخارا کے حوالے سے ایک اور عظیم اسلامی شخصیت امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ امام بخاریؒ کا شمار اسلامی تاریخ کے عظیم ترین محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ البخاری تھا۔ آپ ۱۳ شوال ۱۹۴ ہجری کو بخارا میں پیدا ہوئے، اور اسی نسبت سے ”بخاری“ کہلائے۔

امام بخاریؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر بخارا کے مدارس اور علمی مراکز میں حاصل کی۔ کم عمری ہی سے انہیں علم حدیث سے غیر معمولی شغف تھا۔ اس حوالے سے مکاتیبِ اقبال میں درج ہے:

" ابتدائی تعلیم اور دینی علوم بخارا کے مکاتیب و مدارس میں حاصل کی۔

گیارہ سال کی عمر میں ہی فن حدیث کی طرف ان کی رغبت بڑھی۔ (25)

(برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۶۸۱)

امام بخاریؒ نے نوعمری ہی میں احادیثِ نبوی ﷺ کے حفظ، جمع اور تحقیق کا کام شروع کر دیا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے اسلامی دنیا کے مختلف علمی مراکز کا سفر کیا اور ہزاروں اساتذہ سے حدیث کی روایت حاصل کی۔ احادیث کی صحت، راویوں کے حالات اور سند کی جانچ کے لیے جو اصول انہوں نے اختیار کیے، وہ علم حدیث کی تاریخ میں ایک مستقل معیار کی حیثیت اختیار کر گئے۔

ان کی شہرہ آفاق تصنیف الجامع الصحیح، جو عام طور پر ”صحیح بخاری“ کے نام سے معروف ہے، قرآن مجید کے بعد مسلمانوں کے نزدیک معتبر ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب نے نہ صرف اسلامی علوم کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا بلکہ امت مسلمہ کی دینی رہنمائی کا ایک مستند سرچشمہ بھی فراہم کیا۔

بخارا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے امام بخاریؒ جیسی عظیم علمی شخصیت کو جنم دیا، جس کی خدمات نے اسلامی تہذیب، علوم حدیث اور فکری روایت کو صدیوں تک متاثر کیا۔ اسی اعتبار سے بخارا محض ایک تاریخی شہر نہیں بلکہ اسلامی علم و تحقیق اور حدیثی روایت کا ایک عظیم مرکز بھی ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں بخارا کی اہمیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ شہر ان عظیم علمی شخصیات سے منسوب ہے جنہوں نے اسلامی تہذیب کی فکری بنیادوں کو مضبوط بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

(ج) اقبال اور تاجکستان

تاجکستان وسط ایشیا کی اہم مسلم ریاستوں میں شمار ہوتا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک خشکی میں گھرا ہوا (Landlocked) ملک ہے جس کی سرحدیں جنوب میں افغانستان، مغرب میں ازبکستان، شمال میں کرغزستان اور مشرق میں چین سے ملتی ہیں۔ اس ملک کی اکثریتی آبادی تاجک نسل پر مشتمل ہے، جن کی تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی جڑیں ایرانی تہذیب سے وابستہ ہیں۔ تاجک زبان فارسی زبان سے گہری مشابہت رکھتی ہے، جس کی وجہ سے فارسی ادب اور تہذیب کے اثرات تاجک معاشرے میں نمایاں طور پر موجود ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں تاجکستان روسی اقتدار کے زیر تسلط آگیا اور بعد ازاں سوویت یونین کا حصہ بن گیا۔ ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد یہ ایک آزاد ریاست کے طور پر ابھرا، اگرچہ آزادی کے ابتدائی برسوں میں اسے خانہ جنگی اور سیاسی عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا۔

"جمہوریہ تاجکستان وسط ایشیا کا ایک خشکی میں گھرا ہوا ملک ہے۔ اس کی سرحدیں جنوب میں افغانستان، مغرب میں ازبکستان، شمال میں کرغزستان اور مشرق میں چین سے ملتی ہیں۔ یہ تاجک نسل کے باشندوں کا وطن ہے۔ جن کی ثقافتی و تاریخی جڑیں ایران میں پیوست ہیں۔" (Wikipedia, 2026)(29)

علامہ محمد اقبال نے اپنی شاعری اور فکری مباحث میں وسط ایشیا کی مسلم اقوام کی سیاسی، ثقافتی اور جغرافیائی اہمیت کو نمایاں کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک وسط ایشیا اسلامی تہذیب، روحانیت اور علمی روایت کا ایک اہم مرکز تھا۔ اگرچہ انہوں نے تاجکستان کا نام بطور ایک آزاد ریاست استعمال نہیں کیا، تاہم ان کی فکر میں وسط ایشیا کا پورا خطہ ایک مشترکہ تہذیبی اور تاریخی اکائی کے طور پر موجود ہے۔ اقبال کے دور میں یہ تمام علاقے روسی اقتدار کے ماتحت تھے، اس لیے ان کی توجہ کسی مخصوص ریاست کے بجائے پورے خطہ وسط ایشیا اور وہاں آباد مسلم اقوام پر مرکوز رہی۔

اقبال کے فارسی کلام نے تاجک معاشرے میں خصوصی مقبولیت حاصل کی۔ اس کی بنیادی وجہ فارسی اور تاجک زبانوں کے درمیان لسانی اور تہذیبی قربت ہے۔ چونکہ اقبال کی فارسی شاعری اسلامی تاریخ، تصوف، خودی اور ملت اسلامیہ کے موضوعات پر مشتمل ہے، اس لیے تاجک اہل علم اور ادیبوں نے اسے اپنے فکری اور ادبی سرمائے کا حصہ سمجھا۔ اس اعتبار سے تاجکستان ان خطوں میں شامل ہے جہاں اقبال کے افکار کو گہری پذیرائی حاصل ہوئی۔

اگرچہ اقبال نے سمرقند، بخارا اور دیگر وسط ایشیائی مراکز کا براہ راست ذکر کیا ہے، تاہم ان کے تصور وسط ایشیا میں تاجکستان بھی شامل ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ خطہ اسلامی تہذیب، علم و عرفان اور روحانی روایت کا امین تھا۔ چنانچہ جب وہ وسط ایشیا کی عظمت رفتہ، اس کی جغرافیائی اہمیت اور اس کے مسلمانوں کے مستقبل کی بات کرتے ہیں تو ان کا اشارہ ان تمام ریاستوں کی طرف ہوتا ہے جو بعد میں آزاد ممالک کی صورت میں سامنے آئیں، جن میں تاجکستان بھی شامل ہے۔

مکاتیبِ اقبال میں تاجکستان کا حوالہ

علامہ اقبال کے خطوط، جو بعد ازاں کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کے عنوان سے مدون ہوئے، ان کی فکری اور تاریخی دلچسپیوں کا اہم ماخذ ہیں۔ سید مظفر حسین برنی نے ان خطوط کو جمع و مرتب کر کے شائع کیا، جن میں اقبال کے اہل خانہ، دوستوں، معاصرین اور علمی شخصیات کے نام لکھے گئے خطوط شامل ہیں۔ ان مکاتیب میں متعدد تاریخی شخصیات اور مقامات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

مکاتیبِ اقبال میں تاجکستان کے حوالے سے سب سے اہم شخصیت میر سید علی ہمدانی ہیں، جنہوں نے برصغیر، خصوصاً کشمیر، گلگت اور بلتستان میں اسلام اور تصوف کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سید مظفر حسین برنی نے کلیاتِ مکاتیبِ اقبال میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

"کئی سال فلان (کولاب) واقع تاجکستان میں رہے۔ جب آپ سے امیر تیمور ناراض ہوا اور حکم دیا کہ سید صاحب اُس کی حکومت سے نکل جائیں تو آپ ۷۷۳/۷۷۴ ہجری میں وہاں سے کشمیر تشریف لائے اور وہاں تصوف و اسلام کی شمع روشن کی۔ (30) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۱۰۸۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ تاجکستان کا خطہ صدیوں سے اسلامی علوم، تصوف اور روحانی تحریکوں کا مرکز رہا ہے۔ سید علی ہمدانی نے کشمیر میں نہ صرف اسلام کی تبلیغ کی بلکہ وہاں سماجی، اخلاقی اور معاشی اصلاحات میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان کی خدمات کے اثرات آج بھی کشمیر کی مذہبی اور ثقافتی زندگی میں نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

علامہ اقبال نے سید علی ہمدانی کی علمی اور روحانی خدمات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی فارسی تصنیف حب اید نامہ میں ان کا ذکر عقیدت و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ اس حوالے سے درج ہے:

"آپ کی خانقاہ آج تک کشمیر میں مرجعِ خلاق ہے اور آپ کشمیر کے صاحبِ ولایت ہیں۔ آپ کو "علی ثانی" اور "حواری کشمیر" کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں آپ کی خدمات کو سراہا ہے۔ (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۱۰۸۶) (31) "

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک سید علی ہمدانی صرف ایک صوفی بزرگ نہیں بلکہ اسلامی تہذیب اور روحانی روایت کے ایسے نمائندہ تھے جنہوں نے وسط ایشیا اور برصغیر کے درمیان فکری اور روحانی تعلق کو مضبوط بنایا۔

اقبال کا تصورِ وحدتِ ملت اور وسط ایشیا

اقبال کے نزدیک عالمِ اسلام کی اصل قوت اس کی وحدت اور باہمی ربط میں مضمر ہے۔ وہ جغرافیائی، نسلی اور لسانی تقسیمات سے بالاتر ہو کر پوری امتِ مسلمہ کو ایک فکری اور روحانی وحدت کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں افریقہ، عرب، جنوبی ایشیا اور وسط ایشیا کے مسلمان ایک ہی ملت کے اجزا ہیں۔

اس تصور کی بہترین ترجمانی بانگِ درا کی مشہور نظم "خضرِ راہ" میں ملتی ہے، جہاں

اقبال فرماتے ہیں:

ربط و ضبطِ ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخلِ حصارِ دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا ایک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تاجکاک کا شعر (32)

(اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۳۲۴)

ان اشعار میں اقبال ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کو مشرق، خصوصاً ایشیا کے مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حرمِ مکی مسلمانوں کی وحدت اور مرکزیت کی علامت ہے، لہذا دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس کے تحفظ اور عظمت کے لیے متحد ہونا چاہیے۔ ”نیل کے ساحل“ افریقہ اور عرب دنیا کے مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ ”خاکِ کاشغر“ وسط ایشیا اور اس سے ملحقہ علاقوں کی علامت ہے۔

کاشغر تاریخی اعتبار سے شاہراہِ ایشیم کا ایک اہم مرکز رہا ہے اور وسط ایشیا کے مختلف علاقوں، خصوصاً تاجکستان، کرغزستان اور دیگر ریاستوں کے ساتھ اس کے تجارتی اور تہذیبی روابط صدیوں پر محیط ہیں۔ اسی وجہ سے اقبال نے اسے عالمِ اسلام کے مشرقی کنارے کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

مجموعی طور پر اقبال کی فکر میں تاجکستان اور اس سے وابستہ شخصیات و روایات ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔ اگرچہ تاجکستان بطور ریاست ان کے زمانے میں موجود نہیں تھا، تاہم وسط ایشیا کے جس تہذیبی، روحانی اور علمی ورثے کا اقبال ذکر کرتے ہیں، تاجکستان اس کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس اعتبار سے اقبال کا تصورِ وسط ایشیا محض جغرافیائی نہیں بلکہ تہذیبی، روحانی اور فکری وحدت کا آئینہ دار ہے، جس میں تاجکستان کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

(د) اقبال اور کرغزستان

جمہوریہ کرغزستان وسط ایشیا کی اہم مسلم ریاستوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ ایک ترک النسل ریاست ہے جس کی جغرافیائی حیثیت خطہِ وسط ایشیا میں نہایت اہم ہے۔ اس کے شمال میں قازقستان، مغرب میں ازبکستان، جنوب میں تاجکستان اور مشرق میں عوامی جمہوریہ چین واقع ہے۔ لفظ ”کرغیز“ کے بارے میں عمومی طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اس کے معنی ”چالیں“ یا ”ہم چالیں“ کے ہیں، جو ان چالیں قبائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنہوں نے قدیم زمانے میں باہمی اتحاد کے ذریعے ایک قوم کی صورت اختیار کی۔ ترک روایات کے مطابق یہ قبائل

صدیوں سے ایک مشترکہ تہذیبی اور نسلی وحدت کے طور پر موجود رہے ہیں، جس کے نتیجے میں کرغیز قومی تشخص تشکیل پایا۔

کرغزستان کی تاریخ نہایت قدیم ہے اور یہ مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور سیاسی اکائیوں کے اثرات قبول کرتا رہا ہے۔ اس کا بیشتر علاقہ بلند و بالا پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے، جس کی وجہ سے یہاں کے باشندوں میں محنت، جفاکشی اور خود انحصاری جیسی صفات نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ریاست اگرچہ نسبتاً الگ تھلگ دکھائی دیتی ہے، تاہم تاریخی طور پر یہ مختلف تہذیبوں اور تجارتی راستوں کے درمیان رابطے کا ایک اہم مرکز رہی ہے۔

" اگرچہ جغرافیائی طور پر اپنے انتہائی پہاڑی علاقہ کی وجہ سے الگ تھلک ہے لیکن کرغزستان دیگر تجارتی راستوں کے ساتھ شاہراہ ریشم کے حصے کے طور پر کئی عظیم تہذیبوں کے سنگم پر رہا ہے۔ قبائل اور خاندانوں کی پے در پے آباد ہونے کی وجہ سے کرغزستان کا ماضی بہت بڑے علاقے پر پھیلا ہوا ہے۔ (33) " (Wikipedia, 2026)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ کرغزستان نہ صرف جغرافیائی بلکہ تہذیبی اعتبار سے بھی ایک اہم خطہ رہا ہے۔ شاہراہ ریشم کے راستے پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ مختلف اقوام، ثقافتوں اور مذاہب کے درمیان روابط کا ذریعہ بنا رہا۔ اسی تاریخی پس منظر نے اس ریاست کو وسط ایشیا کی تہذیبی تاریخ میں ایک ممتاز مقام عطا کیا۔

علامہ محمد اقبال کے کلام اور مکاتیب میں کرغزستان کا نام بطور خاص موجود نہیں ملتا، تاہم اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ اقبال کی فکر میں اس خطے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اقبال کے زمانے میں موجودہ وسط ایشیائی ریاستیں اپنی آزاد قومی شناخت کے ساتھ موجود نہیں تھیں بلکہ روسی اقتدار کے زیر اثر ایک وسیع جغرافیائی خطے کا حصہ تھیں۔ چنانچہ اقبال جب وسط ایشیا، ترک اقوام یا مسلم ریاستوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں موجودہ کرغزستان بھی شامل سمجھا جاسکتا ہے۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد کرغزستان سمیت وسط ایشیا کی دیگر مسلم ریاستیں آزاد ہوئیں اور انہوں نے اپنی قومی شناخت کو باضابطہ طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تاہم اقبال کے دور میں یہ خطہ روسی تسلط کے تحت تھا اور سیاسی طور پر آزاد حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے اقبال کے ہاں ان ریاستوں کا ذکر زیادہ تر ”وسط ایشیا“ یا ”وسط ایشیائی مسلم اقوام“ کے عنوان سے ملتا ہے۔

اقبال کی فکر میں وسط ایشیا کی اہمیت صرف اس کی جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے اسلامی اور تہذیبی تشخص کی بنیاد پر بھی تھی۔ یہ خطہ صدیوں تک اسلامی تہذیب، تصوف، علم و دانش اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ بخارا، سمرقند، خوارزم اور دیگر علمی مراکز نے اسلامی دنیا کی فکری تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی تناظر میں کرغزستان بھی اس وسیع تہذیبی ورثے کا حصہ ہے جسے اقبال اپنی شاعری اور فکری مباحث میں نمایاں کرتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک وسط ایشیا کی مسلم اقوام ایک مشترکہ تاریخی اور تہذیبی ورثے کی حامل تھیں۔ اگرچہ یہ مختلف نسلی اور لسانی اکائیوں پر مشتمل تھیں، لیکن اسلام نے انہیں ایک مشترکہ شناخت عطا کی تھی۔ روسی استعمار کے زیر اثر ان اقوام کو سیاسی، سماجی اور مذہبی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا، جس کے باعث ان کی تہذیبی شناخت بھی متاثر ہوئی۔ اقبال اس صورتِ حال سے بخوبی آگاہ تھے اور اسی لیے وہ عالم اسلام کے اتحاد، خودی کی بیداری اور مسلم اقوام کی آزادی پر زور دیتے ہیں۔

اقبال کے ہاں وسط ایشیا کا ذکر محض جغرافیائی حوالہ نہیں بلکہ ایک وسیع تہذیبی اور فکری تصور کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ اس خطے کو اسلامی تاریخ، روحانیت، علم و دانش اور تمدنی ارتقا کے ایک اہم مرکز کے طور پر دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری اور مکاتیب میں وسط ایشیا سے تعلق رکھنے والے علماء، صوفیہ، مفکرین اور تاریخی شخصیات کا ذکر بار بار سامنے آتا ہے۔ ان حوالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ کرغزستان کا نام براہِ راست اقبال کے کلام

میں موجود نہیں، تاہم ان کا تصور وسط ایشیا اس ریاست اور اس کے باشندوں کو بھی اپنے دائرہ فکر میں شامل کرتا ہے۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ کرغزستان اقبال کی فکری دنیا میں وسط ایشیا کے اس وسیع تہذیبی اور اسلامی منظر نامے کا حصہ ہے جسے وہ مسلم نشاۃ ثانیہ، روحانی بیداری اور تہذیبی احیا کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے کرغزستان کی اہمیت نہ صرف جغرافیائی ہے بلکہ اسلامی تہذیب اور مسلم تاریخ کے ایک اہم جزو کی حیثیت سے بھی نمایاں ہے۔

(و) اقبال اور قازقستان

قازقستان وسط ایشیا کی اہم مسلم ریاستوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا سرکاری نام ”جمہوریہ قازقستان“ ہے۔ رقبے کے اعتبار سے یہ دنیا کا نواں بڑا ملک ہے اور خشکی میں گھرا ہوا (Landlocked) دنیا کا سب سے بڑا ملک تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے مشرق میں چین، جنوب مشرق میں کرغزستان، شمال میں روس، جنوب میں ازبکستان اور ترکمانستان جبکہ جنوب مغرب میں بحیرہ قزوین واقع ہے۔ قازقستان کا سب سے بڑا شہر الماتے (الماتی) ہے، جبکہ آستانہ (موجودہ آستانہ) ملک کا دارالحکومت ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے اس ملک میں وسیع گھاس زار، برف پوش پہاڑی سلسلے، جنگلات، دریائی میدان اور صحرا پائے جاتے ہیں۔ اس کی جغرافیائی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ وسط ایشیا کو جنوبی ایشیا، روس اور چین سے ملانے والی ایک اہم گزر گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

"تاریخی طور پر یہ خانہ بدوشوں کا ملک رہا ہے۔ سولہویں صدی تک یہاں کے لوگ تین واضح قبیلوں کی صورت میں منظم ہو چکے تھے۔ ان قبیلوں کو مقامی زبان میں "جز" کہتے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں روسیوں نے قازقستان پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا، جن کے نتیجے میں انیسویں صدی کے وسط تک پورا قازقستان سلطنت روس کا حصہ بن چکا تھا۔ (34) "

(Wikipedia, قازقستان 2026),

قازقستان کے اہم شہروں میں الماتے، آستانہ، بالقاش، ساران اور ترکستان شامل ہیں۔ ان میں شہر ترکستان خصوصی تاریخی اور تہذیبی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ شہر صدیوں سے وسط ایشیا کی اسلامی، روحانی اور ثقافتی روایت کا مرکز رہا ہے۔ اسی طرح آستانہ جدید قازقستان کی سیاسی شناخت کی علامت ہے، جبکہ الماتے طویل عرصے تک ملک کا دارالحکومت رہا اور آج بھی اقتصادی اور ثقافتی اعتبار سے اہم مقام رکھتا ہے۔

بیاناتِ اقبال اور ترکستان

علامہ محمد اقبالؒ کے عہد میں موجودہ وسط ایشیائی ریاستیں آزاد قومی اکائیوں کی حیثیت نہیں رکھتی تھیں بلکہ روسی اقتدار کے زیر اثر تھیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اقبال برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری، خودی کے شعور اور آزادی کے جذبے کو فروغ دینے میں مصروف تھے۔ تاہم ان کی فکری توجہ صرف برصغیر تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ پورے عالم اسلام، بالخصوص وسط ایشیا کے مسلمانوں کی حالتِ زار پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔

اقبال وسط ایشیا کو جغرافیائی، تہذیبی اور سیاسی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔ اسی تناظر میں انہوں نے ۱۶ مئی ۱۹۳۳ء کو ترکستان کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا:

"ترکستان ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ یہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے ایک حصہ پر روس کی عمل داری ہے۔ دوسرے پر افغانستان کی حکومت ہے اور تیسرا چین کے زیرِ نگیں ہے۔ (35) " (صدیقی، ۲۰۱۵ء، صفحہ ۳۰۹)

یہ بیان اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ اقبال ترکستان کو محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ اسلامی تہذیب اور ترک اقوام کے ایک وسیع مرکز کے طور پر دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک ترکستان کی تقسیم اور اس پر غیر ملکی تسلط مسلم دنیا کے لیے ایک اہم مسئلہ تھا۔

اقبال نے چینی ترکستان (موجودہ سنکیانگ) میں پیدا ہونے والی سیاسی بے چینی اور وہاں کے مسلمانوں کی مشکلات پر بھی توجہ دی۔ ان کے نزدیک اس خطے میں جاری تحریکوں اور بغاوتوں کے اسباب صرف مذہبی نوعیت کے نہیں تھے بلکہ ان کے پس منظر میں معاشی اور سیاسی عوامل بھی کار فرما تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے فرمایا:

"بہر نوع اگر یہ انقلاب کامیاب ہو جاتا ہے تو یہ لازماً افغانستان اور روسی

ترکستان پر اپنے اثرات چھوڑ دے گا۔ (36) " (صدیقی، ۲۰۱۵ء، صفحہ

(۳۱۰)

یہ بیان اقبال کی سیاسی بصیرت کا مظہر ہے۔ وہ اس امر سے آگاہ تھے کہ وسط ایشیا کے کسی ایک حصے میں پیدا ہونے والی تبدیلی پورے خطے کو متاثر کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک وسط ایشیا کی سیاسی بیداری عالم اسلام کی مجموعی بیداری سے مربوط تھی۔

مکاتیب اقبال اور ترکستان

علامہ اقبال نے اپنے بیانات کے ساتھ ساتھ اپنے خطوط میں بھی ترکستان کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ چونکہ ان کے زمانے میں ترکستان مختلف سیاسی قوتوں کے زیر تسلط تھا، اس لیے وہ اس خطے کی سیاسی اور تہذیبی صورت حال پر مسلسل نظر رکھتے تھے۔

۱۲ مئی ۱۹۳۷ء کو محمد اکرام کے نام ایک خط میں اقبال نے معروف فارسی شاعر بیدل کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ترکستان اور وسط ایشیا میں ان کی مقبولیت کا ذکر کیا۔ سید مظفر حسین برنی نے اس خط کو کلیات مکاتیب اقبال میں درج کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس وقت صورت حال ایسی ہی تھی۔ اب بیدل افغانستان، ترکستان اور

وسط ایشیا میں مقبول ہیں۔ ایران میں بھی اس کی شاعری کی جانب توجہ دی

جارہی ہے۔ (37) " (برنی، ۲۰۱۶ء، صفحہ ۴۶۲)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال ترکستان کو فارسی ادب اور اسلامی تہذیب کے ایک اہم مرکز کے طور پر دیکھتے تھے، جہاں بیدل جیسے عظیم شعر کے افکار کو غیر معمولی پذیرائی حاصل تھی۔

اسی طرح ۲۵ ستمبر ۱۹۲۲ء کو چوہدری محمد حسین کے نام ایک خط میں اقبال نے ایک اخباری خبر کا حوالہ دیتے ہوئے ترکستان کی آزادی اور انور پاشا کے کردار کا ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"لندن کی خبر جو آج کے اخبار میں شائع ہوئی ہے آپ کی نظر سے اس خط کو پہنچنے تک گزر جائے گی یعنی یہ کہ قسطنطنیہ میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ روس نے ترکستان کی آزادی تسلیم کر لی ہے اور غازی انور پاشا اس جمہوریہ کے صدر مقرر ہوئے ہیں۔ (38) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۹۶۹)

اگرچہ بعد کے تاریخی حالات نے اس خبر کی مکمل تصدیق نہیں کی، تاہم اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال ترکستان کی آزادی کی جدوجہد کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اور وہ اس خطے میں سیاسی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔

اسی سلسلے میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو چوہدری محمد حسین کے نام ایک اور خط میں اقبال نے انور پاشا اور وسط ایشیا کی آزادی کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے ترکستان کی اہمیت کو ایک بلیغ استعارے میں بیان کیا:

"وسط ایشیا کے ترکوں کی آزادی اسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ خیر بات یہ ہے کہ ترکستان ایشیا کا دل ہے۔ دل آزاد ہو گیا تو باقی اعضاء جو ارج بھی اپنی اپنی زنجیریں آہستہ آہستہ اتار پھینکیں گے۔ (39) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۹۷۱-۹۷۲)

یہ اقتباس اقبال کے تصورِ وسط ایشیا کو سمجھنے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ترکستان کو "ایشیا کا دل" قرار دیا، جو اس خطے کی جغرافیائی، تہذیبی اور سیاسی اہمیت کی طرف واضح

اشارہ ہے۔ اقبال کے نزدیک اگر ترکستان آزادی حاصل کر لیتا ہے تو اس کے اثرات پورے ایشیا میں محسوس کیے جائیں گے اور دیگر محکوم اقوام بھی آزادی کی راہ پر گامزن ہوں گی۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اقبال کی تحریروں، بیانات اور خطوط میں قازقستان اور خصوصاً ترکستان کا ذکر محض ایک جغرافیائی خطے کے طور پر نہیں ملتا بلکہ یہ اسلامی تہذیب، ترک اقوام کی شناخت، سیاسی آزادی اور مسلم نشاۃ ثانیہ کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ موجودہ قازقستان میں واقع ترکستان کا شہر اسی تاریخی اور تہذیبی ورثے کا امین ہے، جسے اقبال نے اپنی فکری بصیرت کے ذریعے عالم اسلام کے مستقبل سے وابستہ کیا۔ اس اعتبار سے قازقستان اور ترکستان اقبال کے تصورِ وسط ایشیا میں ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

خطوطِ اقبال اور وسط ایشیا

علامہ محمد اقبال کا تعلق ایشیا سے تھا، اس لیے ان کی فکری، ادبی اور سیاسی توجہ کا ایک اہم مرکز ایشیائی اقوام اور خصوصاً مسلم ممالک رہے ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری، خطبات، مضامین، بیانات اور خطوط میں ایشیا کی تہذیبی، سیاسی اور جغرافیائی اہمیت کو متعدد مقامات پر اجاگر کیا ہے۔ ان کے ہاں جنوبی ایشیا کے ساتھ ساتھ وسط ایشیا بھی خصوصی اہمیت کا حامل خطہ ہے۔ اقبال اس خطے کو نہ صرف اسلامی تہذیب و تمدن کا اہم مرکز تصور کرتے ہیں بلکہ اس کی جغرافیائی اور سیاسی اہمیت کو بھی غیر معمولی قرار دیتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک جنوبی اور وسط ایشیائی مسلم ممالک عالم اسلام کے مستقبل میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خطے کو ایشیا اور یورپ کے درمیان ایک اہم رابطہ تصور کرتے تھے۔ آج کے عالمی سیاسی اور معاشی حالات بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ وسط ایشیا اور جنوبی ایشیا بین الاقوامی تجارت، توانائی کے وسائل، علاقائی روابط اور جغرافیائی سیاست (Geopolitics) کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنے شعری سرمایہ میں بھی ایشیا کے مختلف خطوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی تہذیبی و تاریخی اہمیت کو نمایاں کیا ہے۔ اسی طرح ان کے خطوط میں بھی جنوبی ایشیا اور وسط ایشیا کے بارے میں متعدد حوالہ جات ملتے ہیں۔ اقبال کے مکاتیب اس اعتبار سے اہم ہیں کہ ان میں سیاسی، تہذیبی اور فکری موضوعات کے ساتھ مختلف اقوام، خطوں اور تاریخی شخصیات کے بارے میں ان کے خیالات محفوظ ہیں۔

اسی سلسلے میں ۲۰ جون ۱۹۲۰ء کو خان محمد نیاز الدین خان کے نام ایک خط میں اقبال وسط ایشیا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کونٹ ٹالسٹائی (روسی امیر جس نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی اور جو اس ملک کے بہترین مصنفین میں تھا) کا خیال تھا کہ "لالہ آتش نژاد" منگولین قوم سے پیدا ہوا اور اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا خروج یا ظہور کب ہو گا اور وہ اس وقت روس میں ہے یا وسط ایشیا میں یا شام میں۔ (40) " (برنی، ۲۰۱۶، صفحہ ۱۵۷)

یہ اقتباس اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ اقبال وسط ایشیا کو نہ صرف ایک جغرافیائی خطے کے طور پر جانتے تھے بلکہ اس خطے سے متعلق فکری، تاریخی اور تہذیبی مباحث میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے خطوط میں وسط ایشیا کا ذکر مختلف سیاسی، تاریخی اور فکری حوالوں سے ملتا ہے، جو اس خطے کے بارے میں ان کے وسیع مطالعے اور گہرے شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ مجموعی طور پر اقبال کی شاعری، مکاتیب، خطبات اور بیانات کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وسط ایشیا ان کے فکری نظام میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ انہوں نے وسط ایشیا سے تعلق رکھنے والی ان شخصیات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سیاسی، علمی، ادبی، دینی اور تہذیبی میدانوں میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ اسی طرح ان کے ہاں وسط ایشیا کے ان شہروں اور مقامات کا بھی بار بار ذکر ملتا ہے جو تاریخی، تمدنی اور جغرافیائی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔

اقبال کے ہاں بخارا، سمرقند، ترکستان، کاشغر اور دیگر وسط ایشیائی مراکز محض جغرافیائی اکائیاں نہیں بلکہ اسلامی تہذیب، علمی روایت، روحانی ورثے اور مسلم تشخص کی علامتیں ہیں۔ ان مقامات کے تذکرے کے ذریعے اقبال مسلمانوں کو ان کے عظیم ماضی سے آگاہ کرتے ہیں اور انہیں مستقبل کی تعمیر کے لیے فکری اور روحانی بیداری کا پیغام دیتے ہیں۔

اس تحقیق میں وسط ایشیا سے متعلق تمام شخصیات، مقامات اور واقعات کا احاطہ ممکن نہیں تھا، لہذا ان شخصیات، شہروں اور تاریخی حوالوں کو منتخب کیا گیا ہے جو موضوع تحقیق کے تناظر میں زیادہ اہم اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مثالوں کے ذریعے یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ فکرِ اقبال میں وسط ایشیائی مسلم ممالک کس قدر اہم مقام رکھتے ہیں اور اقبال انہیں عالم اسلام کی تہذیبی، روحانی اور سیاسی بیداری کے ایک بنیادی سرچشمے کے طور پر دیکھتے ہیں۔

BIBLIOGRAPHY

Wikipedia. (2024, January). *Qusam Ibn Abbas Complex*. Retrieved June 23, 2026, from https://en.wikipedia.org/wiki/Qusam_Ibn_Abbas_Complex

Wikipedia. (2026, اپریل 26). *تاجکستان*. Retrieved from <https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%AA%D8%A7%D8%AC%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86>

Wikipedia. (2026, مارچ ۳). *ترکستان*. Retrieved from <https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%AA%D8%B1%DA%A9%D9%85%D8%A7%D9%86%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86>

Wikipedia. (2026, March 22). *دولت سامانیہ*. Retrieved June 23, 2026:

https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%AF%D9%88%D9%84%D8%AA_%D8%B3%D8%A7%D9%85%D8%A7%D9%86%DB%8C%DB%81

Wikipedia. (2026, فروری 15). Retrieved from <https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%82%D8%A7%D8%B2%D9%82%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86>

Wikipedia. (2026, مئی 19). Retrieved from <https://ur.wikipedia.org/wiki/%DA%A9%D8%B1%D8%BA%DB%8C%D8%B2%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86>

اقبال، ع. م. (۲۰۰۹ء) کلیات اقبال فارسی. لاہور: مکتبہ دانیال.

اقبال، ع. م. (۲۰۱۱ء) کلیات اقبال اردو. لاہور: الفیصل ناشران کتب.

برنی، س. م. (۲۰۱۶ء) کلیات مکاتیب اقبال (جلد اول). جہلم: بک کارنر جہلم.

صدیقی، ا. ا. (۲۰۱۵ء) علامہ اقبال: تقریریں، تحریریں اور بیانات. لاہور: اقبال اکادمی پاکستان.

ملک، ف. م. (۲۰۱۴ء). علامہ اقبال اور آج کا وسط ایشیا روزنامہ نوائے وقت.

حوالہ جات و حواشی

۱. تاریخ رسائی درج کریں. www.samshahar.uz.]
۲. اقبال، محمد۔ کلیات اقبال اردو۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، ۲۰۱۱ء، ۳۷۹۔
۳. اقبال، کلیات اقبال اردو، ۷۴۳-438۔

۴. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ۵۳۸۔
۵. اقبال، محمد۔ کلیاتِ اقبال فارسی۔ لاہور: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۹ء، ۴۰۸۔
۶. اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ۴۲۴۔
۷. اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ۵۴۸۔
۸. [Google. Accessed [تاریخ رسائی درج کریں. www.google.com].
۹. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ۷۳۴-735۔
۱۰. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ۵۳۸۔
۱۱. اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۰۵۷۔
۱۲. اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ۵۷۶۵-576۔
۱۳. اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ۶۱۲۔
۱۴. اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ۴۳۳۔
۱۵. اقبال، محمد۔ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد اول، ۵۲۱۔
۱۶. اقبال، محمد۔ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ۳۹۴۔
۱۷. اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ۴۹۔
۱۸. اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ۷۹۷-۷۹۸۔
۱۹. اقبال، محمد۔ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد سوم، ۸۱۷۔
۲۰. اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ۷۰۰۔
۲۱. اقبال، محمد۔ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد چہارم، ۱۰۴۔
۲۲. اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد چہارم، ۹۷۲۔
۲۳. اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ۸۸۲۔
۲۴. اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ۸۸۳۔
۲۵. اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد چہارم، ۶۸۱۔
۲۶. [Wikipedia. Accessed [تاریخ رسائی درج کریں. www.google.com].
۲۷. ملک، فتح محمد۔ ”علامہ اقبال اور آج کا وسط ایشیا۔“ روزنامہ نوائے وقت، ۹ نومبر ۲۰۱۴ء۔
۲۸. ملک، ”علامہ اقبال اور آج کا وسط ایشیا۔“

۲۹. [Wikipedia. Accessed [www.google.com].
۳۰. اقبال، کلیاتِ مکتبِ اقبال، جلد دوم، ۱۰۸۶۔
۳۱. اقبال، کلیاتِ مکتبِ اقبال، جلد دوم، ۱۰۸۶۔
۳۲. اقبال، محمد۔ کلیاتِ اقبال اردو۔ لاہور: الفیصل ناشران، ۳۲۴۔
۳۳. [Wikipedia. Accessed [www.google.com].
۳۴. [Wikipedia. Accessed [www.google.com].
۳۵. اقبال، محمد۔ تفسیریں، تحریریں اور بیانات۔ ترجمہ: اقبال احمد صدیقی۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۵ء، ۳۰۹۔
۳۶. اقبال، تفسیریں، تحریریں اور بیانات، ۳۱۰۔
۳۷. اقبال، کلیاتِ مکتبِ اقبال، جلد چہارم، ۴۶۲۔
۳۸. اقبال، کلیاتِ مکتبِ اقبال، جلد چہارم، ۹۶۹۔
۳۹. اقبال، کلیاتِ مکتبِ اقبال، جلد چہارم، ۹۷۱-۹۷۲۔
۴۰. اقبال، کلیاتِ مکتبِ اقبال، جلد دوم، ۱۵۷۔